باتیں اخبار نویسوں کی

(آزادی سے قبل کے صحافیوں اور اخبار نویسوں کا دلچسپ تذکرہ)

تحریر

اومپرکاش سونی

ترتیب

سہیل انجم

باتیں اخبار نویسوں کی

(آزادی سے قبل کے صحافیوں اور اخبار نویسوں کا دلچسپ تذکرہ)

تحریر

اوم پرکاش سونی

ترتیب

سہیل انجم

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

© جملہ حقوق محفوظ

Baaten Akhbar Naweeson Ki

Written by
Om Prakash Soni
Compilled By
Suhail Anjum

Year of Edition 2016
ISBN 978-93-5073-936-5
Price Rs. 250/-

نام کتاب	:	باتیں اخبار نویسوں کی
تحریر	:	اوم پرکاش سونی
ترتیب	:	سہیل انجم
سال اشاعت	:	۲۰۱۶ء
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
قیمت	:	۲۵۰ روپے
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کا پتہ

اوم پرکاش سونی
151/B, Vijay Nagar, Street No.3
Batala Road, Amritsar 143001 (Punjab)
Mob: 09988333009

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

فہرست

☆☆

بزرگ صحافی اوم پرکاش سونی

سہیل انجم

ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

پنجاب کے بزرگ صحافی جناب اوم پرکاش سونی سے جب سے ملاقات ہوئی ہے، شاد عظیم آبادی کا یہ شعر ذہن میں گونجتا رہتا ہے۔ سونی صاحب اردو صحافیوں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو اب تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بس معدودے چند باقی ہیں جن میں ایک اہم نام ان کا بھی ہے۔ وہ اس وقت روزنامہ ''ہند سماچار'' سے وابستہ ہیں۔ ۸۶ سال کے ہو چکے ہیں لیکن اردو زبان و صحافت سے ان کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ اس پیرانہ سالی میں بھی روزانہ امرتسر سے ۸۰ کلومیٹر دور جالندھر تک کا سفر بذریعہ ٹرین کرتے ہیں، ہند سماچار کے دفتر میں کام کرتے ہیں اور پھر واپس امرتسر آتے ہیں۔ پنجاب جو کبھی اردو زبان و ادب اور صحافت کا ایک مرکز ہوا کرتا تھا، اب اردو کے حوالے سے بنجر ہو چکا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، حفیظ جالندھری، ساحر لدھیانوی، مولانا وقار انبالوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، ساحر ہشیار پوری اور ان جیسے دیگر صحافیوں، شاعروں اور ادیبوں کی دھرتی اب یتیم ہو چکی ہے۔ امرتسر ہو یا لدھیانہ یا جالندھر ہو یا دوسرے شہر اردو کی سرگرمیوں سے محروم ہیں۔ ہاں کچھ اردو سرگرمیاں مالیر کوٹلہ میں نظر آتی ہیں، لیکن کب تک۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ روزنامہ ہند سماچار نے اردو کا نام روشن کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ غالباً کوئی دوسرا روزنامہ اخبار اس ریاست سے شائع نہیں ہوتا۔ اس وقت پنجاب کے اردو صحافیوں میں بڑا نام سونی صاحب ہی کا ہے۔ ان کو اہل اردو بالخصوص مالیر کوٹلہ کے لوگ خوب جانتے ہیں۔ لیکن پنجاب سے باہر بہت کم لوگ ان سے متعارف ہیں۔ ان کے بعد دوسری صف کے جو کچھ

اردو صحافی ہیں ان کو مقامی طور پر لوگ جانتے ہوں تو جانتے ہوں، مگر پنجاب سے باہر شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ اس لحاظ سے اوم پرکاش سونی اور ان کی خدمات کو اردو صحافت کے اثاثہ کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ سونی صاحب بار بار اور بڑے درد اور حسرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ''میرے بعد پنجاب میں تاریکی ہے، کوئی اردو کی شمع جلانے والا نہیں ملے گا''۔

اوم پرکاش سونی ٦ دسمبر ۱۹۲۹ کو گجرات (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں میں اور اعلیٰ تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ان کو شروع سے ہی اردو زبان و ادب اور ثقافت سے شغف رہا ہے۔ انھوں نے ۱۷ سال کی عمر میں ہی گجرات سے پہلے اخبار ''مضراب'' اور پھر ''سوتنتر'' جاری کیا۔ یہ اخبارات کچھ دنوں تک نکل کر بند ہو گئے۔ تقسیم ہند نے پاکستان کے بہت سے غیر مسلم اردو دانوں کو ہندوستان آنے پر مجبور کیا۔ سونی صاحب بھی اس ہنگامہ قیامت خیز میں سرحد پار کر کے آ گئے۔ انھوں نے امرتسر کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ ۱۶/اگست ۱۹۴۷ کو وہ امرتسر میں اپنے پھوپھا دنی چند نیّر کے گھر آ گئے۔ بعد میں ان کے والدین بھی یہیں آ بسے۔

انھیں اوائل عمر میں ہی صحافت کا چسکہ لگ چکا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اسی کو اپنی معاش اور ذوق و شوق کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا۔ امرتسر آنے کے بعد انھوں نے ستمبر ۱۹۴۷ میں میونسپل کمشنر اور مجاہد آزادی بابا کرم چند ساہنی کے ساتھ روزنامہ ''آج کی بات'' نکالا۔ اس میں شرنارتھیوں کے بارے میں خبریں شائع ہوتی تھیں۔ ان کا یہ اخبار بھی زیادہ دن نہیں چل سکا۔ دو ہی مہینے میں بند ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے دسمبر ۱۹۴۷ میں پراگ ناتھ ستیہ کے تعاون سے ہفتہ وار ''سدرشن'' نکالا۔ لیکن یہ بھی عہد طفولیت میں ہی یعنی محض دو ماہ زندہ رہ کر دم توڑ گیا۔ لیکن اوم پرکاش سونی ان نامساعد حالات سے کہاں شکست کھانے والے تھے۔ اس بار انھوں نے ہال گیٹ امرتسر میں مکتبہ مضراب قائم کیا۔ مگر وائے افسوس یہ بھی عارضی ثابت ہوا۔ اس دوران ان کی صحافت کی گاڑی آگے بڑھتی رہی۔ انھوں نے امرتسر سے اگست ۱۹۷۱ میں پندرہ روزہ ''نئی لہر'' نکالا۔ یہ اخبار بھی کئی سال تک نکلنے کے بعد بند ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے مختلف اخبارات میں کام کیے۔ کچھ میں کل وقتی اور کچھ میں جز وقتی۔ اس درمیان تصنیف و تالیف کا بھی کام جاری رہا۔ جن اخبارات و رسائل میں انھوں نے کام کیا ان میں ماہنامہ

''پگڈنڈی''، ماہنامہ ''قانون'' اور ماہنامہ ''آیورویدسماچار'' قابل ذکر ہیں۔ ''پگڈنڈی'' ادبی جریدہ تھا اور ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹالوں پر فروخت ہوتا تھا۔ انھوں نے اس میں بطور معاون مدیر کام کیا۔ اس دوران انھوں نے حکمت بھی کی۔ متعدد طبی مضامین بھی لکھے جو طبیہ کالج ترنتارن کے رسالہ ''سکھ چین'' میں چھپتے تھے۔ اس کے ایڈیٹر حکیم نرنجن سنگھ تھے۔

بعد میں وہ روزنامہ ''ہندسماچار'' کے شعبہ ادارت میں شامل ہو گئے۔ کافی دنوں تک وہ اس کے لیے فلموں پر تبصرے لکھتے رہے۔ اس میں ان کے درجنوں تبصرے شائع ہوئے۔ اس اخبار میں انھوں نے اردو صحافیوں پر ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کا عنوان تھا ''باتیں اخبارنویسوں کی''۔ اخبارنویسوں ہی سے متعلق ایک دوسرا کالم بھی انھوں نے شروع کیا تھا جس کا عنوان تھا ''کاروان صحافت''۔ ان دونوں کالموں میں صحافیوں پر ان کے کالم شائع ہوتے۔ سیکڑوں صحافیوں پر انھوں نے کالم لکھے۔ انھوں نے روزنامہ ''ملاپ'' اور روزنامہ ''پرتاپ'' لاہور میں بھی کام کیا۔ ''پرتاپ'' جالندھر میں ان کا ایک کالم چھپتا تھا جس کا عنوان تھا ''یہ دو اشعار کس کے ہیں''۔ ان کے مضامین شورش کاشمیری کے اخبار ''چٹان'' اور طفیل ہشیارپوری کے ''محفل'' لاہور میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے معروف ادیب مقصود الٰہی شیخ کے ہفتہ وار ''راوی'' میں ایک کالم ''مکتوب امرتسر'' کے عنوان سے ایک عرصے تک لکھا۔ ''پاسبان'' چنڈی گڑھ اور دوسرے رسائل میں بھی مضامین شائع ہوئے۔

سونی صاحب ادبی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہے ہیں۔ وہ انجمن ترقی اردو ہند پنجاب کے ناظم نشرواشاعت رہے۔ بزم ادب امرتسر کے ناظم اعلیٰ رہے۔ لکھنؤ میں منعقدہ آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس میں بھی جو غالباً ۱۹۷۳ میں ہوئی تھی، شامل رہے۔ اس موقع پر شائع ہونے والے یادگار مجلہ میں ان پر ایک صفحے کا تعارفی مضمون شامل ہے جس میں تحریر ہے ''اوم پرکاش سونی کو لڑکپن سے ہی صحافت، ادب اور حکمت وفلسفہ کا بے انتہا شوق دامن گیر رہا۔ انھوں نے ۱۹۴۷ میں ایک ادبی ماہنامہ ''مضراب'' کا اجرا کیا۔ تقسیم ہند کے بعد امرتسر کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ یہاں کئی ادبی، علمی، ثقافتی اور فنی رسائل وجرائد میں بطور معاون ایڈیٹر خدمات سرانجام دیں۔ یکم اگست ۱۹۷۱ سے اپنا ذاتی پندرہ روزہ اخبار ''نئی لہر'' باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں۔

''نئی لہر'' کی اشاعت پر بہت سے احباب خفا ہوئے۔ بہت سوں نے تاریکی انجام کا خوف دلایا۔ مگر وہ اپنی راہ پر گامزن ہیں۔ ہر چند کہ اقتصادی مسائل درپیش ہیں، ان کی خواہش یہی ہے کہ: یہ نظم ونثر کے اوراق ہوں کفن میرا، جو موت آئے کتابوں کے درمیاں آئے''۔

پندرہ جولائی ۱۹۷۶ کو انھوں نے اپنے پندرہ روزہ اخبار ''نئی لہر'' کا ''اردو صحافت نمبر (اول)'' شائع کیا۔ اس کے مرتبین میں ایک اور بزرگ صحافی رام سرن اثر آصل اوتاڑ کا نام بھی شامل ہے۔ یہ اخبار کی چھٹی جلد کا سولہواں شمارہ ہے۔ اس کی قیمت پانچ روپے ہے۔ جبکہ رسالے کا زر سالانہ دس روپے ہے۔ میگزین سائز میں ۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ خصوصی شمارہ اردو صحافت اور خاص طور پر پنجاب میں اردو صحافت کے بارے میں معلومات کا خزانہ ہے۔ اداریہ کے بعد پہلا مضمون شورش کاشمیری پر ہے جس کے مضمون نگار سردار سجن سنگھ مرگند پوری ہیں۔ دیگر مضامین میں صحافت کے مسائل (جے چند کیرتی)، اردو اخبارات کے مسائل (رتن سنگھ باغی)، اردو کے چند ضبط شدہ اخبارات (ادارہ)، اخبار نویسی جنون یا فرزانگی (حضرت محوی لکھنوی)، رنبیر جی بطور صحافی اور انسان (ایس کے رام پال جیلر)، بھارت میں اردو اخبارات (ادارہ)، میری صحافتی زندگی کے چند ابتدائی ایام (گوپال متل)، جمشید پور کے چند اردو صحافی (ل۔م۔شاہد)، ایک پرانے اخبار نویس لالہ ہیرالال کپور (ادارہ)، ہندوستان میں اخبار نویسی ایک مختصر جائزہ، مجدد صحافت خواجہ حسن نظامی (ادارہ)، اخبارات کی آزادی ارو ذمہ داریاں (کرپارام ساگر انفارمیشن آفیسر پریس انفارمیشن بیورو جالندھر)، اردو صحافت کا پچھلا دور (محمد از ہر شاہ قیصر)، دنیا کا سب سے بڑا صحافی جوزف پلٹرز (اوم پرکاش سونی)، اردو صحافت کا ماضی (نیر علوی)، جموں کی اردو صحافت (ہر بھگوان شاد)، عہد انگلشیہ میں ہندوستانی اخبارات پر سنسر شپ (اوم پرکاش سونی)، بنگال میں اردو صحافت ابتدا سے آزادی تک (شانتی رنجن بھٹاچاریہ)، صحافیوں کی قانونی ذمہ داریاں (گوپال چند شرما)، ایک جرنلسٹ کی سرگزشت (ستیہ پال پوری)، بابائے صحافت میر بشارت علی جالب (ادارہ)، در بیان اخبار (ادارہ)، بیباک اردو صحافی مولانا ظفر علی خاں (رام لبھایا چترتھ)، بلند پایہ ادیب سردار دیوان سنگھ مفتوں (سردار

نانک سنگھ)، ایک خوددار صحافی شورش کاشمیری (رام سرن اثر آصل اوتار)، عکس نما چند مایہ نازاردوصحافی، سورگیہ مہاشہ کشن (نانک چند ناز)، قلم سے انقلاب (ملک محمد علی خاں)۔اس کے علاوہ کچھ تنقیدی اور طنزیہ مضامین بھی اس میں شامل ہیں۔اس خصوصی شمارے پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تیاری میں خون جگر صرف کیا گیا ہے اور انتہائی غیر جانبداری اور تعصب سے پاک ہو کر اردو صحافیوں کی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اوم پرکاش سونی نے رام سرن اثر کے ساتھ مل کر ''پنجاب میں اردو صحافت'' نامی ایک کتاب بھی مرتب کی جو ۱۹۸۸ میں ۳۶/اے، حکم سنگھ روڈ امرتسر سے شائع ہوئی۔اس میں پنجاب میں اردو صحافت کا جائزہ لیا گیا ہے۔معروف صحافی اور ''پرتاپ'' جالندھر کے ایڈیٹر ویریندر نے اس کتاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے ''پنجاب میں اردو صحافت سے متعلق یہ پہلی کتاب ہے......اگر چہ اسے مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس میں صرف چیدہ چیدہ اخبارات کا ذکر ہے تاہم یہ کتاب مورخین و محققین کے لیے بڑی کارآمد مفید مطلب اور کارگر ثابت ہوگی''۔

کتاب کے پہلے مضمون کا عنوان ''طلوع'' ہے۔اس کے تحت پنجاب میں اردو صحافت کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے مطابق ''پنجاب میں اردو صحافت کا آغاز ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ کو ہفتہ وار اخبار ''کوہ نور'' لاہور کے اجرا سے ہوا۔منشی ہر سکھ رائے اخبار کے مہتمم تھے۔یہ اخبار ہر سوموار کو بارہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ماہانہ چندہ ڈیڑھ روپے اور زر سالانہ بارہ روپے تھا۔یہ واحد اردو اخبار تھا جس کی تعداد اشاعت ملک بھر کے اردو اخبارات سے زیادہ تھی۔اخبار کے خریدار نواب، رئیس یا راجے مہاراجے بھی ہوا کرتے تھے۔انگریز افسر بھی ہندوستانی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اخبار خریدا کرتے تھے''۔

اس کے بعد بیسویں صدی میں پنجاب میں اردو صحافت کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کتاب میں ریاست پنجاب کے سرکردہ صحافیوں پر انتہائی معلوماتی مضامین ہیں۔جن میں مہاشہ کرشن، خوشحال چند خورسند، لالہ لاجپت رائے، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر، سوامی پرکاش آنند سرسوتی، مولانا وقار انبالوی، پنڈت میلا رام وفا،

لالہ رام پرشاد، ڈاکٹر ستیہ پال، مولانا سید حبیب، مولانا چراغ حسن حسرت، حمید نظامی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، لالہ نانک چند ناز، ماسٹر تارا سنگھ، شری ویریندر، لالہ جگت نارائن اور رمیش چندر وغیرہ صحافیوں پر گراں قدر مضامین ہیں۔ جبکہ اخباروں میں آزادی سے قبل کے ۸۵/اخباروں کا ذکر ہے یا ان پر مضامین ہیں۔ جن میں کوہ نور کے علاوہ ''پیسہ'' اور ''وکیل'' قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ پرتاپ، ملاپ، بندے ماترم، انڈیا، ویر بھارت، انقلاب، بھارت ماتا، نیشنل کانگریس، سیاست، احسان، نوائے وقت، پربھات، جے ہند، شیر بھارت، ہند سماچار، نیا دور، پردیپ، ہندو، اجیت، نئی لہر، بدر قادیان، پگڈنڈی، نگارش، نئی صدی اور مشکوۃ قادیان وغیرہ ایک سو سے زائد اخباروں پر مضامین ہیں یا ان کا تذکرہ ہے۔ اس طرح یہ کتاب جس کی ضخامت بہت زیادہ نہیں ہے پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ اور موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے میں بڑی معاون ہے۔

جناب اوم پرکاش سونی انتہائی ملنسار، مہذب، خوش اخلاق، خوش گفتار اور غیر متعصب شخصیت کے مالک ہیں۔ صحافت ان کے رگ و ریشے میں پیوست ہے اور اردو سے محبت ان کی شریانوں میں خون بن کر دوڑتی ہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اردو صحافت کے نام کر دی اور اس پیرانہ سالی میں بھی محض اردو سے محبت کی خاطر روزانہ ۸۰ کلومیٹر کا سفر بذریعہ ٹرین کر کے امرتسر سے جالندھر جاتے ہیں اور روزنامہ ہند سماچار میں اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ عمر کی جس منزل میں ہیں اور اللہ نے انھیں جس طرح فرماں بردار اور لائق اولاد سے نوازا ہے، اس کے پیش نظر انھیں اتنی ذہنی و جسمانی مشقت اور اذیت سے گزرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک سونی صاحب جیسے اردو دوست موجود ہیں نہ تو اس زبان کو کوئی مٹا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی گنگا جمنی تہذیب کو۔

سونی صاحب نے ساٹھ کی دہائی سے لے کر نوے کی دہائی تک مختلف اخباروں میں اخبار نویسوں کے دلچسپ تذکرے قسطوار لکھے تھے۔ انھی تذکروں سے انتخاب کر کے یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔

اردو اخبارات کی ادبی صحافت

پنج دریاؤں کی سرزمین پنجاب ہر لحاظ سے نہایت زرخیز و مردم خیز رہی ہے۔ بقول حافظ محمود شیرانی یہیں اردو زبان معرضِ وجود میں آئی۔ جبکہ اس کی پرورش دہلی میں ہوئی۔ پنجاب نے اردو زبان و ادب اور صحافت کی خدمت میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ کسی دوسرے خطے کا مقدر نہیں بن سکا۔

۱۸۵۰ء میں منشی ہر سکھ رائے نے ہفت روزہ ''کوہ نور'' لاہور کے اجرا سے اردو صحافت کی تخم ریزی کی جو ثمر آور ثابت ہوئی اور اس کے نتیجے میں نور کے لاحقے سے متعدد اخبارات کا نور و ظہور ہوا اور پنجاب اردو صحافت کا بقعہ نور بن گیا۔ ادبی اخبارات کی بدولت علمی و ادبی، ثقافتی اور تہذیبی سرگرمیاں شروع ہونے لگیں اور یہ سرسبز و شاداب خطہ گل و گلزار بن کر ابھرا جس کی خوشبو سے سارے ملک کی ادبی فضا معطر ہوگئی۔ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حال پاکستان کے تحصیل دار منشی دیوان چند صاحبِ ذوق اور علم دوست تھے۔ انھوں نے ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۱۸۵۱ء میں سیالکوٹ سے یکے بعد دیگرے کئی اخبارات و رسائل جاری کیے۔ ان میں ''ہمائے بے بہا''، ''چشمۂ فیض''، ''خورشید عالم'' اور ''وکٹوریہ پیپر'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ وکٹوریہ پیپر بیسویں صدی کے اوائل تک چھپتا رہا۔

۱۹ویں صدی میں پنجاب سے جو اردو اخبارات جاری ہوئے ان کی تفصیل بیان

کرنے کے لیے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے۔ چند اخبارات کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے جن سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ پنجاب کا گلستان صحافت کیسے کیسے گلہائے رنگارنگ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا۔

۱۸۶۶ء میں پنڈت سورج بھان نے ''گنج شائگاں'' لاہور سے شروع کیا۔

۱۸۷۰ء میں مولانا محمد حسین آزاد نے ''اتالیق پنجاب'' اور پیرزادہ محمد حسین کی ادارت میں ''انجمن پنجاب'' منصہ شہود پر آیا۔ یہ ادبی اخبار چراغِ انجمن افروز تھا جس سے ارباب علم و ادب کے ذہن کسب نور کرنے لگے۔ یہ اردو صحافت کا ارتقائی دور تھا۔ امرتسر سے پادری رجب علی نے شمس الاخبار اور ۱۸۸۷ء میں ماہنامہ ''پنجاب ریویو'' جاری کیا جو وحید العصر اردو ادبی ماہنامہ تھا اور اس نے ملک بھر میں شہرت حاصل کی۔ ''پنجاب ریویو'' ۱۹ ویں صدی کا عظیم ادبی ماہنامہ تھا جو کتابت وطباعت کے جملہ محاسن سے بھی آراستہ تھا۔

۱۸۹۵ء میں مولوی محبوب عالم مدیر و مالک ہفتہ وار ''پیسہ اخبار'' لاہور نے عوام کے ادبی مذاق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''انتخاب لاجواب'' جاری کیا۔ اس ماہنامے کے متعلق منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں:

> ''ایک ایسا عجیب وغریب رسالہ بنام ''انتخاب لاجواب'' جاری کیا جو نہ صرف ہندوستان بھر میں اپنی قسم کا واحد رسالہ شمار ہوتا ہے بلکہ نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس کی اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔''

اس زمانے میں دو ہزار کی تعدادِ اشاعت غیر معمولی ہوتی تھی جبکہ عام طور پر اخبارات اور ماہنامے چند سو کی تعداد میں ہی چھپتے تھے۔ ۵۰۰ کی تعدادِ اشاعت بہت زیادہ سمجھی جاتی تھی۔ ۱۸۹۸ء میں شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی نے ہفتہ وار ''تہذیب نسواں'' جاری کیا جو نصف صدی تک اردو صحافت کی خدمت کرتا رہا۔

امرتسر کے وکیل شیخ غلام محمد نے اردو ادب کی خدمت اور عوام میں شعوری بیداری لانے کے لیے ہفتہ وار ''وکیل'' (۱۸۹۵ء) جاری کیا جو بعد میں سہ روزہ پھر روزانہ اور آخر میں بند ہو گیا۔ ہفتہ وار ''وکیل'' ایک ادبی ادارہ تھا جس میں مرزا حیرت دہلوی، جالب

دہلوی، انشاء اللہ خاں، مولوی عبد اللہ منہاس، حکیم فیروز الدین طغرائی اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عظیم شخصیتیں شامل رہیں۔ وکیل میں سیاست کم ادب وافر شریک اشاعت ہوتا تھا۔ ہفتہ وار وکیل ایک عہد ساز اردو اخبار تھا جس کی ثقہ تحریریں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ ملک بھر میں اخبار وکیل کی پذیرائی ہوئی تھی۔ صحتِ زبان کے اعتبار سے اس کا اپنا مقام تھا۔

نومبر ۱۹۰۱ء میں پندرہ روزہ پنجۂ فولاد زیرِ ادارت منشی محمد دین فوق لاہور سے نمودار ہوا۔ اس اخبار کا منظوم اشتہار چھپا تھا جس کے چند اشعار بطور تفنن طبع درج ذیل ہیں:

پنجۂ فولاد ایک اخبار ہے　　جس سے سارا ہند واقف کار ہے

دوستوں کا ہے اگر خدمت گزار　　دشمنوں کا بھی رفیق و یار ہے

دید کے قابل نہ کیوں ہو بزم فوقؔ

شمع اس کی محفل یہ اخبار ہے

منشی محمد دین فوق صحافی، ادیب، شاعر، مؤرخ اور نقاد تھے۔ انھوں نے ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ ان میں تاریخ کشمیر اور اخبار نویسوں کے حالات قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے ۱۹۰۶ء میں ماہنامہ کشمیر میگزین نکالا۔ یہ بھی علمی و ادبی اور تاریخی جریدہ تھا۔ امرتسر کی منروا لاج سوسائٹی کا ماہنامہ 'منروا' زیر ادارت منشی غلام قادر فرخ ظہور پذیر ہوا۔ یہ ماہنامہ ۱۰۰ صفحات پر چھپتا رہا۔ اس کی ایک فائل باوا پیلس سرکلر روڈ امرتسر کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۹۰۱ء میں پنڈت اندر نرائن شمیمؔ نے ہفتہ وار شمیم ہند جالندھر سے جاری کیا۔ شمیم پیشہ کے لحاظ سے نامور وکیل تھے اور مولانا محمد حسین آزاد کے شاگردِ رشید۔ موصوف نے کئی علمی و ادبی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

فروری ۱۹۰۶ء میں ماسٹر جگت سنگھ نے پنڈی گھیپ، ضلع کیمل پور (راولپنڈی ڈویژن) سے ماہنامہ ''رہنمائے تعلیم'' کا اجرا کیا۔ یہ تعلیمی رسالہ ۱۹۰۷ء میں لاہور سے چھپنے لگا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں اس کا دربار نمبر اور ۱۹۳۱ء میں سلور جوبلی نمبر نہایت اہتمام سے شائع

ہوئے تھے۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں لاہور سے منشی بشن سہائے آزاد نے اپنے تخلص کی نسبت سے ماہنامہ ''آزاد'' جاری کیا۔ سرورق پر یہ فقرہ درج ہوتا تھا:

''آزادرو ہوں اور مسلک ہے صلح کل''

۶۸ صفحات پر چھپنے والا یہ ماہنامہ علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین کا گلدستہ ہوتا تھا۔

جنوری ۱۹۰۶ء میں منڈی بہاء الدین ضلع گجرات (پاکستان) سے ماہنمانہ ''صوفی'' نمودار ہوا۔ محمد الدین آوارہ اس کے مدیر و مالک تھے۔ اس میں علم و ادب تاریخ اور فلسفہ مذہب کے بارے میں مضامین شریک ہوتے تھے۔ جولائی ۱۹۰۹ء میں مولوی محبوب عالم مدیر پیسہ اخبار لاہور نے فلاحِ نسواں کی غرض و غایت سے ایک ماہنمانہ ''شریف بی بی'' جاری کیا جو ۴۸ صفحات کو محیط ہوتا تھا۔ اس ماہنامے میں تعلیمِ نسواں پر زور دیا جاتا تھا۔

اگست ۱۹۱۰ء میں قادیان سے ماہنامہ ''تشحیذ الاذہان'' زیرادارت مرزا بشیر الدین محمود جاری ہوا۔

بیسویں صدی کے اوائل یعنی اپریل ۱۹۰۱ء میں فدائے اردو شیخ عبدالقادر نے لاہور سے نہایت پاکیزہ عمدہ و اعلیٰ مذاق کا حامل ماہنامہ ''مخزن'' جاری کیا۔ یہ ماہنامہ ۴۸ صفحات کو محیط ہوتا تھا۔ شیخ عبدالقادر نے ''مخزن'' کے شمارۂ اول میں اس کی غرض و غایت کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا:

''اس رسالہ کا نام انگریزی لفظ میگزین کا صحیح ترجمہ ہے اور میگزین بھی اردو میں سمجھا جاتا ہے۔ مگر جب میگزین اصل عربی لفظ مخزن سے مشتق ہے تو کیوں ہم مخزن کو ان معنوں میں استعمال نہ کریں۔ جبکہ لفظ زبانِ اردو میں خوبصورتی سے کھپتا ہے۔ اس کے مضامین بالعموم ایسے ہوں گے جو کسی ایک مذہب و ملت کے مذاق تک محدود نہ ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائے گا۔ فنِ تقریر و فصاحت کو جو اس زمانہ میں مغرب میں بحیثیت فن کے سیکھا اور سکھایا جاتا ہے ہندوستان میں رواج دینا........''

اس بلند پایہ عمدہ و اعلیٰ مذاق کے علمی و ادبی رسالہ کے قلمی سرپرستوں میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، غلام بھیک نیرنگ، سید فضل حق آزاد، چودھری خوشی محمد ناظر، بسمل شاہجہاں پوری، مولانا تاجور نجیب آبادی، حامد علی خاں، محمد اکرام، نواب داغ دہلوی، لالہ سری رام دہلوی، مولوی احمد دین، حسرت موہانی، منشی احمد حسین، دیا نرائن نگم، سید سجاد حیدر یلدرم وغیرہ کے نام خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی نے اپنے اخبار کی اشاعت بابت ۱۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء میں ''مخزن'' پر تبصرہ آرائی کی:

> ''شیخ محمد اکرام صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر نے اس کی صورت بدل دی ہے اور اس میں تازہ زندگی کی روح پھونک دی ہے کہ دیکھ کر بے ساختہ مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر یہی صورت اور حالت قائم رہی تو یقیناً اس سے بہتر رسالہ ہندوستان بھر میں اور کوئی نہیں ملے گا۔''

مرزا حیرت دہلوی جو کبھی سہ روزہ ''وکیل'' امرتسر سے وابستہ تھے اعتراف کرتے تھے کہ ماہنامہ مخزن لاہور ملک کا افضل و اعلیٰ معیاری جریدہ ہے۔ فی الواقع ان کی رائے صائب تھی، ملک بھر میں مخزن کی پذیرائی ہو رہی تھی۔

''مخزن'' نے بھی گردش ایام کے کئی نشیب و فراز دیکھے۔ ۱۹۰۷ء میں شیخ عبدالقادر نے دہلی میں وکالت شروع کی تو ''مخزن'' بھی دہلی منتقل ہو گیا۔ کوچہ چیلان میں جہاں مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت کی اقامت گاہ تھی مخزن کا دفتر قائم ہو گیا اور مولانا راشد الخیری مخزن کی نگرانی پر مامور ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں ''مخزن'' پھر سے لاہور منتقل ہو کر وہیں سے اشاعت پذیر ہونے لگا۔

اردو کی ادبی صحافت کی ایک اور قد آور شخصیت تھی حکیم یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور۔ جنھوں نے ڈاکٹر محمد دین تاثیر کی رفاقت سے ماہنامہ نیرنگ خیال کو ادب و فن کا منبع فیض بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ انھوں نے نیرنگِ خیال محض حصول زر کی غرض سے جاری نہیں کیا تھا خدمت علم و ادب اور ارباب ذوق کو عمدہ و اعلیٰ ادبی

شاہپاروں سے روشناس کرانا اپنا مطمحِ نظر بنایا تھا۔ حکیم یوسف حسن نے اس زمانے میں ایک مؤقر وممتاز ادبی جریدہ جاری کرنے کی جسارت کی۔ ۱۹۲۴ء میں انھیں ایک معیاری ادبی رسالہ نکالنے کا خیال آیا تو وہ مشورہ کے لیے مایہ ناز ادبی شخصیت شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی سے ملنے گئے۔ راستے میں ہی مولانا عبدالمجید سالک مل گئے۔ پوچھا ''حکیم صاحب! کدھر؟''

''شفاء الملک کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے۔''

کہنے لگے ''خیریت ہے؟''

حکیم صاحب نے کہا ''ایک ادبی رسالہ نکالنے کا ارادہ ہے۔ مشورے کے لیے جارہا ہوں....'' مولانا سالک نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''ان سے مشورہ بعد میں لینا، میرا مشورہ سن لو۔ وہ یہ ہے کہ ادبی رسالہ نہ نکالنا۔ ادبی پرچے نہیں چلتے۔ میں نے ''فانوس خیال'' میں ہزاروں روپے کا نقصان اٹھایا۔ فلاں نے فلاں پرچہ نکالا اور تباہ ہوگیا۔ فلاں نے فلاں پرچہ نکالا پاگل ہوگیا۔ حکیم صاحب! آلو چھولے بیچ لیجیے ادبی رسالہ نہ نکالیے گا۔''

مگر حکیم صاحب پر ادبی رسالہ نکالنے کی دھن سوار تھی۔ انھوں نے اللہ کا نام لے کر ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' جاری کیا۔ علامہ اقبالؔ نے نیرنگ خیال کے صوری و معنوی محاسن دیکھ کر مدح سرائی کی:

> ''رسالہ نیرنگ خیال جو لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے یہ رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ ایڈیٹر حکیم یوسف حسن اور محمد دین تاثیر جائنٹ ایڈیٹر دونوں نوجوان ہیں اور لٹریچر کا شوق رکھتے ہیں۔ جناب عبدالرحمٰن چغتائی کی تصویر ''تحفہ لیلیٰ'' بہت خوب ہے دیکھ کر مسرت ہوئی۔ دیکھیے اب ''تحفہ قیس'' کب نکلتا ہے؟'' (۱۷/اگست ۱۹۲۴ء)

''نیرنگ خیال'' نہایت خوبصورت ممتاز و معیاری ادبی رسالہ تھا جو حکیم یوسف حسن کے جمالیاتی وادبی ذوق کی عکاسی کرتا تھا۔ ملک بھر کے اہلِ ثقہ نے اسے پسند کیا اور اس کی تعریف کی۔ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر روزانہ زمیندار لاہور نے ''نیرنگ خیال'' کی توصیف میں کہا:

ہے جو شوق جلوۂ حسن زلیخائے ادب
دیکھیے یوسف حسن سے لے کے ''نیرنگ خیال''

حکیم صاحب خود بھی لکھتے دوسروں کو بھی لکھنے کی ترغیب وتحریص دیتے۔ اس میں مبالغہ نہیں کہ انھوں نے ہی انشائے لطیف کو شہرت دی اور نمایاں کامیابی پائی۔ اس زمانے میں حکیم یوسف حسن کو نیرنگ خیال اور نیرنگ خیال کو یوسف حسن کہا جاتا تھا۔ ایک بار انھوں نے نیرنگ خیال کا ایڈیٹر نمبر شائع کیا جس میں صرف انہی کے قلم کے رشحات شامل تھے۔ نیرنگ خیال میں مصوری کے نایاب وکمیاب شاہکار بھی شریک ہوتے تھے۔ حکیم صاحب کہا کرتے تھے کہ بعض اوقات ایک تصویر حاصل کرنے کے لیے انھیں بڑی رقم خرچ کرنی پڑتی تھی۔ نیرنگ خیال کی مقبولیت اور عظمت نے حکیم صاحب کے کئی حاسد بھی پیدا کیے۔ جنھوں نے ان کے تتبع میں رسالے نکالے۔ لیکن نیرنگ خیال کی گرد پا کو بھی نہ پا سکے۔ ایک بار مولانا چراغ حسن حسرت ایڈیٹر شیرازہ لاہور نے حکیم صاحب پر طنز کیا تو حکیم یوسف حسن نے لکھا ''حضرت مولانا پہلے اپنے گھر کی خبر لیجیے۔ سخاوت گھر سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں تو چراغ تلے اندھیرا ہی اندھیرا ہے محاوروں کے بنڈل اب نہیں چلتے۔ آپ کا ''شیرازہ'' ایجنٹوں کے ہاں سے سیدھا رڈی کے بیوپاریوں کے ہاں پہنچ رہا ہے۔ اللہ! ''شیرازہ'' بکھرنے سے بچا لیجیے۔'' یہ جواب پا کر مولانا حسرت لاجواب ہو گئے۔ پھر کبھی حکیم صاحب کے خلاف قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد ازاں ان دونوں اہل قلم میں دوستی ہو گئی تھی۔

بیرسٹر میاں بشیر احمد نے ۱۹۱۲ء میں اپنے والد جسٹس شاہ دین ہمایوں مرحوم کی یاد میں ایک نہایت پاکیزہ ادبی ماہنامہ ہمایوں لاہور جاری کیا جو ۳۵ برس تک پابندی سے اردو

ادب کی خدمت میں مصروف رہا۔ جسٹس شاہ دین یکے از عاشقانِ اردو تھے۔ ''ہمایوں'' ۶۰ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے سرورق کی محراب پر جسٹس ہمایوں کا یہ شعر پیامِ بیداری دیتا تھا:

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

''ہمایوں'' میں علمی و ادبی، تمدنی اور اخلاقی مضامین ہی شریکِ اشاعت ہوتے تھے۔ اس صحیفے کی انفرادیت یہ تھی کہ اس میں عریانی و فحاشی اور رکیک تحریروں سے اجتناب کیا جاتا تھا۔ اس کی ایک اور تخصیص قابلِ ذکر ہے کہ ہمایوں میں کبھی کوئی اشتہار یا تصویر نہیں چھپی۔ ہر طرح کی آلودگی سے منزہ خالص موقر ادبی صحیفہ تھا جس نے اپنے مخصوص ادبی معیار اور اخلاقی وضعداری کو تادم زیست قائم رکھا۔

خان احمد حسین خاں صاحب نے ۱۹۱۸ء میں لاہور سے ماہنامہ ''شباب اردو'' جاری کیا۔ خان بہادر شیخ عبدالقادر بیرسٹر اس کے مدیر اعزازی تھے۔ ۸۰ صفحات پر چھپنے والے شباب اردو کی سالانہ قیمت پانچ روپے تھی۔

حافظ محمد عالم سید مٹھا بازار، لاہور میں کتابوں کی طباعت کا کاروبار کرتے تھے اور عالم گیر بک ڈپو کے علاوہ ماہنامہ ''عالمگیر'' کے بھی مالک و مدیر تھے۔ عالمگیر ایک موقر و قابلِ قدر علمی و ادبی صحیفہ تھا جو نہایت پاکیزہ صاف وشستہ ادب کا نقیب تھا۔ اس کا زر سالانہ چار روپے تھا لیکن سالنامہ کی قیمت ایک روپیہ ہوتی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں اس کا سالنامہ ۲۰۰ صفحات پر شائع ہوا تھا۔

ماہنامہ عالمگیر لاہور کا سالنامہ بابت ۱۹۳۱ء (جلد ۱۳ نمبر ۱) بڑی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ کاغذ نہایت عمدہ، کتابت اور طباعت نہایت پاکیزہ۔ پانچ عدد سہ رنگی اور ڈیڑھ درجن سے زائد یک رنگی دو رنگی تصاویر مستزاد۔ سالنامے میں تقریباً ۶۳ مشاہیر کے ادبی شہپارے شامل تھے۔

حکیم یوسف حسن نے ایک ادبی ہفتہ وار ''تازیانہ'' جاری کیا تو حافظ محمد عالم کے

سمند شوق کو بھی ''تازیانہ'' لگا۔ انھوں نے بھی ہفتہ وار ''خیام'' جاری کیا ''تازیانہ'' غیر سنجیدہ مزاحیہ وتنقیدی اخبار تھا جب کہ ''خیام'' خالصتاً علمی وادبی ہفتہ روزہ تھا۔ ''تازیانہ'' کا عرصہ حیات تنگ رہا جب کہ ''خیام'' آزادی وطن تک پابندی سے طباعت افروز ہوتا رہا۔ اس کی کامیابی کا سہرا شبلی بی کام کے سر پر ہے۔ جنھوں نے خیام کو ایک بلند پایہ ہفت روزہ بنانے میں حد درجہ محنت کی۔

۱۹۲۹ء میں امرتسر کے استاد پنجابی شاعر حکیم مولا بخش کشتہؔ کے ادب نواز صاحبزادے محمد افضل خاں نے ماہنامہ ''چمنستان'' امرتسر سے جاری کیا جو بہارستانِ ادب کا نہایت حسین مصور مجلّہ تھا۔ اس میں معیاری مضامین کے ساتھ ساتھ رنگین تصاویر بھی زینت طبع ہوتی تھیں۔

۱۹۲۹ء میں پنجاب کے ادبی افق سے ماہنامہ چمن امرتسر طلوع ہوا۔ اس مثالی معیاری ادبی مجلّے کے مالک ومدیر چمن لال سیوک تھے جو امرتسر کے ادبی مذاق رکھنے والے ایک متمول تاجر تھے۔ انھوں نے تکمیل شوق کی خاطر زرکثیر صرف کر کے نہایت دلکش بصیرت افروز اور دیدہ زیب ادبی مجلّہ جاری کیا۔ اس کا زرِ سالانہ چار روپے تھے، جبکہ ۱۹۳۱ء میں شائع ہونے والے ضخیم سالنامے کی قیمت ڈیڑھ روپیہ تھی۔ یہ ۲۲۰ بڑے صفحات پر مشتمل تھا۔ درجنوں سہ رنگی ویک رنگی تصاویر نہایت عمدگی سے آرٹ پیپر پر مطبوع ہوئیں۔ سرورق ہفت رنگ اور دوسرا ورق سنہری حروف سے مزین تھا امرتسر سے اشاعت پذیر ہونے والا ''چمن'' ماہنامہ ''چمنستان'' کا معاصر تھا۔ ایک آفتاب تھا تو دوسرا مہتاب۔ دونوں کا معیار و وقار بلند اور تزئین قابلِ داد تھی۔

۱۳/اپریل ۱۹۲۸ء کو بیساکھی کا تہوار تھا۔ پنجاب میں امرتسر کی بیساکھی کو تاریخی و ثقافتی مقام حاصل ہے۔ کیونکہ اسی تہوار پر ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والا باغ میں خونی ہولی کھیلی گئی تھی۔ چنانچہ ۱۳/اپریل کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ماہنامہ ''کرتی'' زیر ادارت ارجن سنگھ گڑگنج معرضِ وجود میں آیا۔ ۲۷ صفحات پر مشتمل اس ماہنامے کا زر سالانہ چار روپے تھے۔ ''کرتی'' نہایت عمدہ سفید کاغذ پر صوری محاسن کا حامل ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر

درج ہوتا تھا:

اٹھ اے کرتی تو جوش میں آ اور قطرے سے دریا بن جا
زنجیریں توڑ غلامی کی ہاں نوکر سے آقا بن جا

ماہنامہ ''کرتی'' نے جہاں اردو ادب کی خدمت کی وہاں نوجوانوں کے شعورِ خفتہ کو بھی بیدار کیا اور ان میں حب الوطنی کا مقدس جذبہ پیدا کیا۔ ادیب شہیر مولانا تاجور نجیب آبادی نے ماہ مئی ۱۹۲۹ء میں علمی و ادبی ماہنامہ ''ادبی دنیا'' لاہور سے جاری کیا۔ نگراں سر عبدالقادر، مدیر اعلیٰ مولانا تاجور اور مدیر حنیف ہاشمی تھے۔ بڑی تقطیع کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ماہنامے کی قیمت چھ آنے اور زرِ سالانہ تین روپے تھا۔ جلد اول شمارہ اول بابت مئی ۱۹۲۹ء کا سرورق سہ رنگا آرٹ پیپر پر چھپا۔ سرورق پر دنیا کا نقشہ اور اس کے نیچے یہ عبارت درج تھی۔ ''نقشۂ عالم کے مندرجہ ممالک تک ہندوستانیوں کے ساتھ اردو زبان پہنچ چکی ہے۔''

فہرست مضامین کے مندرجات میں پنڈت سدرشن، لطیف الدین احمد اکبرآبادی، موہن سنگھ دیوانہ، نور الٰہی محمد عمر، سر عبدالقادر، پنڈت میلا رام وفا، فاخر ہریانوی، پروفیسر بھوپال سنگھ، رائے بہادر پنڈت شونرائن شمیم، پروفیسر گنگا رام کوہلی، ملک سلیمان خاں اور پروفیسر ارشاد احمد وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ معلوماتی مضامین کے علاوہ سات تصاویر بھی ہیں۔

شمس العلماء مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی کا مرتبہ اردو ادب اور صحافت میں آفتاب جہاں تاب کی طرح تھا۔ انھوں نے ہندوؤں اور سکھوں میں تخصیص سے شعر و ادب کا صحیح مذاق پیدا کیا۔ انھوں نے پانچ سال تک سر عبدالقادر کے ماہنامہ ''مخزن'' کی ادارت کی اور جب میاں بشیر احمد نے ماہنامہ ''ہمایوں'' جاری کیا تو اس کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ ۱۹۲۶ء میں پنجاب کے مشہور اشاعتی ادارے میسرز عطر چند کپور کی اعانت سے اردو مرکز قائم کیا۔ اس مرکز نے اردو کے ادب عالیہ کے کئی شاہکار شائع کر کے تشنگانِ ادب کی طمانیت کی۔ اس ادارے کو سیماب اکبرآبادی، علامہ منوہر سہائے انور، اودے سنگھ شائق، کرپال سنگھ بیدار، عابد علی عابد، یوسف سلیم، نظیر لدھیانوی، پنڈت میلا

رام وفا، جگر مراد آبادی، برج موہن دتا تریہ کیفی اور خان بہادر نور الٰہی جیسے جید علماء کی معاونت حاصل تھی۔ اسی ادارے نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ہفت روزہ ''اتحاد'' جاری کیا۔ مولانا تاجور کے ماہنامہ ادبی دنیا نے ادب کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ مصور ادبی مجلّہ مولانا تاجور کے ہاتھ سے نکل کر مولانا صلاح الدین احمد کی تحویل میں چلا گیا۔ مئی ۱۹۳۴ء میں مولانا تاجور نے اسی بڑی تقطیع پر ماہنامہ شاہکار جاری کیا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے ماہنامہ ''شاہکار'' کی ادبی شان و شوکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے تاثرات اس طرح قلمبند کیے تھے:

> ''اس قسم کے دیدہ زیب رسالے کی اردو کو بہت سخت ضرورت تھی۔ گرچہ پنجاب سے اس طرح کے اور بھی رسالے نکلتے ہیں لیکن شاہکار اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر سب پر سبقت لے گیا ہے خاص کر تحقیق اور تنقیدی مقالات و مضامین کی وجہ سے اردو کے سنجیدہ اور علمی رسائل میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔''

پنجاب کے اردو اخبارات نے تحریک آزادی اور ادبی صحائف نے علم و ادب کی ترویج و فروغ میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ ادبی افق سے جو متنوع جرائد آفتابِ تازہ کی طرح نمودار ہوئے اور آسمان صحافت پر ماہ و انجم کی طرح درخشاں رہے ان کا ذکر نہ کرنا حد درجہ ناانصافی بلکہ کفرانِ نعمت ہوگا۔

☆☆☆

اردو صحافت کی ہزار داستان کے 'سند باد جہازی'

چراغ حسن حسرت

اردو صحافت کی الف لیلیٰ یعنی تذکرہ ہزار داستان کے ''سند باد جہازی'' اپنے وقت کے بہترین مزاح نویس تھے۔ مولانا چراغ حسن حسرت 'کولمبس'، 'حسرت کاشمیری'، 'کوچہ گرد' اور 'ابوالہول' کے قلمی ناموں سے بھی کالم نویسی کرتے رہے تھے۔ مردم دیدہ، دو ڈاکٹر، کیلے کا چھلکا، جدید جغرافیہ پنجاب اور پربت کی بیٹی ان کی شاہکار تصانیف ہیں۔ حافظہ بلا کا تھا۔ انھیں یہ علم ہوتا تھا کہ فلاں محاورہ کہاں سے آیا، فلاں روزمرہ کی اصلیت کیا ہے اور یہ کہاوت کیوں کر بنی، فلاں ضرب المثل کی بنیاد کس نے رکھی۔ نظم و نثر دونوں اصناف پر حاوی تھے۔ فسانہ آزاد اور طلسم ہوشربا جیسے ضخیم ناول حفظ تھے۔ چراغ حسن حسرت یعنی سند باد جہازی اپنے سامنے کسی دوسرے کا چراغ نہ جلنے دیتے تھے۔ مولانا عبدالمجید سالک ایڈیٹر انقلاب لاہور ہی ان کے ہم پایہ تھے۔ ۱۹۴۴ء میں وہ ملک نورالٰہی کے روزنامہ احسن لاہور سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ۲ر مئی ۱۹۴۴ء کے 'احسان' میں لکھتے ہیں:

> ''آج کل اخبار نویسوں کی بہت اقلیت ہے یہ نہیں کہ سب لام پر چلے گئے ہیں بلکہ سب گورنمنٹی ملازمت میں منسلک ہو چکے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی اخبار نویس کسی اخبار کے دفتر سے کسی اور محکمہ میں چلا جاتا ہے تو اخبار کے مالک کا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جگہ اس وقت تک پُر نہیں کرنی چاہیے جب

تک کہ اصل اخبار نویس جنگ کے بعد واپس نہ آجائے۔ اور اخبار کے کام باقی اخبار نویس اپنے "گم شدہ اخبار نویس" کی یاد میں چلاتے رہتے ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ وزارتوں کا حال بھی اخبار کے دفتروں کی طرح ہے۔ ایک وزیر کو نکالا گیا تو وزیر کا کام باقی وزراء نے سنبھال لیا ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ جب کام بانٹ لیا گیا ہے تو اس وزیر کی تنخواہ بھی آپس میں تقسیم کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جب اوور ٹائم لگانا ہے تو اس کے پیسے کیوں نہ لیے جائیں؟"

ملک خضر حیات وزیر اعظم پنجاب نے روزنامہ "شہباز" کی سرپرستی کی تو مئی ۱۹۴۴ء کے کالم میں انھوں نے اس طرح وضاحت کی:

"لاہر میں ایک اور اخبار نکل رہا ہے یعنی وہ اخبار جو بند ہو گیا تھا پہلے اس کا نام "شہباز" تھا اور اب بھی شہباز ہے۔ دوبارہ نکل رہا ہے۔ کسی نے شہباز کے پر قینچ دیے تھے۔ لیکن اس شہباز کے پر بہت جلد نکل آئے اور نئے روپ سے مائل پرواز ہوا ہے۔ پہلے وہ ایک پارلیمانی سکریٹری کا اخبار تھا اب وہ وزیر اعظم پنجاب کا اپنا اخبار ہوگا۔ اچھا ہوا وزیر اعظم پنجاب بھی ایک اخبار کے مالک ہو گئے۔ اخبار کے بغیر بھی کیا زندگی ہے۔ سردار بلدیو سنگھ کا اپنا اخبار موجود ہے۔ سر منوہر لال ٹربیون کے ٹرسٹی ہیں۔ سر چھوٹو رام بھی کو دن میں جائستان قسم کا اخبار نکالنے والے ہیں۔ ایڈیٹروں کی تلاش کر رہے ہیں۔ ملک خضر حیات بھی اخبار کے مالک بن گئے۔ وہ وقت قریب آنے والا ہے جب پنجاب اسمبلی کے ہر ممبر کا اپنا اخبار ہوگا۔ گویا موجودہ اخبارات کے علاوہ ۱۷۵ اخبار مزید نکلیں گے۔ اخبار نویسوں کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کی قیمت بڑھ جائے گی۔ لیکن یہ بھی سنا ہے کہ پنجاب اسمبلی کے ممبر پنجاب یونیورسٹی کی جرنلزم کلاس میں بھی شامل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اخبار نکالنے والوں کو پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ وہ

ایڈیٹر کہاں سے لائیں گے؟ آج کل ہم لوگ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔''

۹ مئی ۱۹۴۴ء کے احسان میں سند باد جہازی نے پربھات لاہور پر اس طرح طنز کیا:

''لاہور کے اخبار پربھات کے قابل ایڈیٹر نے آج ''فرعون کی بہشت'' کے نام سے ایک افتتاحیہ لکھ کر یہ محسوس کیا کہ اس نے پنجاب کی سیاست پر ایک ضرب کاری لگائی ہے۔ قابل ایڈیٹر نے بہشت کو لاکر باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قابل ایڈیٹر کو مذکر زیادہ پسند ہے لیکن حیرت کا مقام تو ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے لکھا ہے فرعون کا تذکرہ ایران کی تاریخ میں ملتا ہے حالانکہ ایران کی تاریخ سے فرعون کا کوئی تعلق نہیں۔ پانچویں درجہ کے بچوں کو بھی اس بات کا علم ہے کہ فرعون کو مصر سے تعلق ہے۔ ایران سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

لاہور شہر میں راشن کا نظام نافذ ہونے پر لکھا:

''ارباب راشن کی خدمت میں کئی بار عرض کیا کہ پنجابی بہت زیادہ اناج کھاتے ہیں۔ ان کے لیے ۸ چھٹانک روزانہ کافی نہیں کم از کم ۱۲ چھٹانک تو کیجیے۔ لاہور میں سر شہاب الدین، درگا موٹا اور مولانا تاجور رہتے ہیں اور آدھ سیر اناج تو ان کے لیے کوئی خاص نہیں لیکن حکومت نے بڑے پیٹوؤں کی کوئی پروا نہیں کی اور نہ ان لوگوں کے لیے راشن کی مقدار میں اضافہ کیا گیا جو جسمانی کام کرتے ہیں۔''

۱۲ مئی ۱۹۴۴ء کے احسان میں شگوفہ چھوڑا کہ:

''ایک ایلوپیتھی جاننے والے ڈاکٹر نے آج مجھے ٹیلی فون پر یہ کہا کہ میں نے ہومیوپیتھی کا حوالہ دے کر ایک اچھے موضوع کو چھیڑا ہے کیونکہ حکومت کو چاہیے کہ وہ ہومیوپیتھی کے اصول پر راشن مقرر کرے تو حکومت کو بڑا فائدہ ہوگا اور اس سلسلے میں ڈاکٹر مسعود سے مشورے بے حد ضروری ہیں۔ ہومیوپیتھی کے ذریعے بڑی مقدار کی ''پوٹینسی'' نکالی جاتی ہے۔ یعنی

ست کشید کر کے بہت تھوڑی مقدار میں اصل طاقت کو بحال کر کے رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ گندم کا نچوڑ ہومیوپیتھی کے اصول پر نکالا جائے اور ہر ایک شخص ایک چھوٹی سی شیشی اپنی جیب میں رکھے اور جب بھوک لگے تو گندم کے ست کی پڑیا منہ میں ڈال لے جس سے یہ ہوگا کہ حکومت کو راشن بندی کے اسٹاک کی زحمت برداشت نہ کرنی پڑے گی۔ لیکن اس سے ایک اندیشہ ضرور ہے۔ پنجاب میں بہت سے سڑک پر حکیم پیدا ہو جائیں گے۔ جو ایسی گولیاں بنالیں گے جس سے بھوک نہ لگے۔ بلکہ بعض تو یہ کوشش کریں گے کہ ایک گولی کھا لینے سے ایک ہفتہ تک کسی چیز کی اشتہا نہ رہے۔"

۱۵ رمئی ۱۹۴۴ء کے احسان میں الف لیلوی داستان صحافت کے سند باد جہازی ایک نئی خبر لاتے ہیں:

"شہباز کے متعلق ایک عجیب وغریب خبر اخبارات میں شائع ہوئی ہے جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وزیر اعظم کا زرخرید اخبار نہیں بلکہ وزیر اعظم پنجاب نے ملکیت بدلنے کا انتظام کیا ہے۔ دہلی دروازے کے باہر گھوڑوں کے دلال اپنی خاص لکھنوی زبان میں گھوڑوں کی دلالی کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے بھی اخباری گھوڑوں کے لیے اسی قسم کا کام شروع کر دیا ہے اور ابتدا میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا تھا کہ وزیر اعظم نے ایک گھوڑا خریدا ہے جس کا نام "شہباز" ہے۔ اس پر خواہ ان کے بچے سواری کریں یا وہ خود۔ لیکن وہ اس اخبار کو گھوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ کسے معلوم تھا کہ آپ گھوڑوں کی سودا بازی بھی کیا کرتے ہیں اور شہباز بھی کیسا خوش قسمت گھوڑا ہے جس کی قیمت چکانے کے لیے پنجاب کے وزیر اعظم کو ہی مداخلت کرنا پڑتی ہے۔ یہ تو بتا دیا گیا کہ ملک خضر حیات کی حیثیت صرف سودا کرانے والے کی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ خریدار کون سا ہے۔ شہباز خود لکھتا ہے کہ ذرائع

سے معلوم ہوا ہے یعنی وزیر اعظم اس اخبار کے مالک نہیں گویا شہباز بیچارے کو ابھی تک اس بات کا علم نہیں کہ ان کا ان داتا کون ہے۔ بعض من چلوں کو جب معلوم ہوا کہ شہباز وزیر اعظم کا اخبار ہے تو انھوں نے چابک استعمال کی اور ادھر شہباز نے دولتیاں چلانا شروع کر دیں۔ راقم الحروف تو اس خبر کی بھلائی برائی پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ بس اتنا جانتا ہے کہ وزیر اعظم کا اخبار وزیر اعظم کا ہی ہوتا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ چون وچرا کر سکے۔ اور پھر شہباز کو کیسا خوف کہ وہ اپنے مالک کا نام چھپاتا پھرے۔''

چراغ حسن حسرت کی طنزیہ شاعری

مولانا چراغ حسن حسرت باکمال ادیب صحافی ہونے کے علاوہ اپنی طرز کی منفرد شخصیت تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انھوں نے فوج میں ملازمت کر لی ان کے سپرد سنگاپور سے رومن رسم الخط میں چھپنے والے اخبار کی ادارت کے علاوہ انگریز افسران کو اردو کی تعلیم دینا تھا۔ ملازمت ترک کر کے کلکتہ کے اخبار نئی دنیا میں ''کولمبس'' کے قلمی نام سے فکاہیہ کالم لکھتے رہے۔ ''کلکتے کی باتیں'' کے عنوان سے ایک مزید مزاحیہ فیچر ''کوچہ گرد'' کے قلمی نام سے بھی لکھا کرتے تھے۔ پھر ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار لاہور میں کام کرنے لگے۔ مولانا حسرت نے مستقل عنوان ''فکاہات'' کے زیر تحت دشت کو گلزار بنا کے رکھ دیا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں ملک نور الٰہی نے ''احسان'' جاری کیا تو مولانا حسرت نے ان کی ادارت سنبھالی اس اخبار کو دو تحریکوں سے بڑا فائدہ پہنچا اول مجلس احرار کی تحریر جو احمدیوں کے خلاف شروع ہوئی دوسری مسجد شہید گنج کی واگذاری۔ اس اخبار میں حسرت کے اصل جوہر کھلے۔ طبیعت میں حد درجہ طنز و مزاح بھرا تھا اور اس کے ساتھ ہی زبان پر عبور بھی حاصل تھا۔ رتن ناتھ سرشار کے انداز تحریر اور فسانہ آزاد کے مشہور کردار خوجی سے بے حد متاثر تھے۔ اور یہ شاید اسی کا فیضان و اثر تھا کہ انھوں نے ''کیلے کا چھلکا'' اور ''جدید جغرافیہ پنجاب'' قلمبند کر کے شہرت

دوام حاصل کی۔ روزانہ ''احسان'' لاہور میں سند باد جہازی کے قلمی نام سے مزاحیہ کالم لکھتے تھے۔ ادبی دنیا میں وہ اسی قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ ۴۸ء میں میاں افتخار الدین نے لاہور سے روزانہ اخبار ''امروز'' نکالا تو مولانا حسرت بھی اس کے حلقہ ادارت میں شامل ہو گئے۔ فیض احمد فیض اور احمد سرور بھی اس حلقہ سے وابستہ تھے لیکن حسرت اخبار کے مدارالمہام تھے۔ امروز میں کام شروع کیا تو فیض کے ہم زلف ڈاکٹر محمد دین تاثیر سے الجھ گئے۔ لیکن اس معاصرانہ چشمک میں ادب وشرافت کا دامن نہیں چھوڑا۔ جب ڈاکٹر تاثیر نے فرضی نام سے چوٹ کرتے ہوئے کہا:

ادب کے نام کو تم نے ذلیل و خوار کیا

کہ اپنا زور قلم صرف افتخار کیا

تو حسرت نے تیشہ قلم یوں اٹھایا:

غیروں کے پاس اخبار ہیں ڈیلی ہیں ہفتہ وار ہیں

آثار کہتے ہیں کہ سب آمادۂ پیکار ہیں

پیدل چلا ہوں عمر بھر لاری کوئی بھجوایئے عہدہ کوئی دلوایئے

نقاد تو مشہور ہوں تنقید سے مجبور ہوں

صاحب قسم لے لیجیے شعروادب سے دور ہوں

برسوں سے اس بہروپ کو محسوس تو فرمایئے، عہدہ کوئی دلوایئے

ڈاکٹر تاثیر انیس کنجاہی اور رازی کے مفروضہ ناموں سے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے اور حسرت پر تیکھے وار کرتے اور مولانا حسرت ''سند باد جہازی'' کے نام سے یوں حملہ آور ہوتے:

یوں بھاگے ہیں میدان سے کنجاہی و رازی

قدوسی و عرفانی و جراحی و حجازی

جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کر بھاگے

جب میرے ہتھوڑے کی پڑی ضرب کاری

لرزہ ہوا اعدائے جفا کیش پہ طاری

شمشیر تو شمشیر ہے سر کے چھوڑ کے بھاگے اور جب انیس کنجاہی نے پے در پے وار کیے تو مولانا حسرت نے ڈاکٹر تاثیر کو یوں لتاڑا:

تو نہیں انیس رازی تو ہے ڈاکٹر حجازی
تو ہے ملحدوں کا قاضی تو ہے "کشتہ جہازی"
ذرا کھل کے سامنے آ، تجھے دیکھ لے زمانہ
کہ فریب و مکر میں ہے تیری شان امتیازی
مجھے فخر آگہی پر، تجھے ناز گمرہی پر
میرا کام حق بیانی، تیرا کام جعل سازی
تیرے رنگ ڈھل رہے ہیں، تیرے راز کھل رہے ہیں
تیری گالیاں بھی کرتی ہیں عجب کرشمہ سازی
میری ضرب سے حذر ہو کر جو ہے آبو سے رہتا
کہ "لہار" تو ہتھوڑے سے کرے گا شیشہ سازی

(امروز لاہور ۷ دسمبر ۴۹ء)

مولانا حسرت نے اس نظم میں جو مخصوص تراکیب استعمال کی ہیں وہ ذومعنی ہیں۔ سند باد جہازی کے قلم نے ایک اور وار کیا:

حلال خور کی گالی کا اک جواب تو تھا
سمجھنے والے سمجھ لیں اشارہ کافی ہے
یہ "بھس" وہ ہے کہ جسے برق بھی جلا نہ سکے
"جمالو" سوچ رہی ہے کہ شرارہ کافی ہے
وہ فن پہ رحم کریں ان کے دم سے پہلے ہی
لباس علم و ادب پارہ پارہ کافی ہے

حریف نے اخبار روزانہ مغربی پاکستان لاہور میں فرضی نام سے پھر دشنام طرازی کی تو سند باد جہازی نے یوں پینترا بدلا کہ حریف کو چاروں شانے چت گرنا پڑا:

مجھے بھی یاد ہے انداز ہجو گوئی

میں اپنے آپ کو لیکن گرا نہیں سکتا
پرنسپل نہیں کالج کا میں خدا کا شکر
تیری طرح سر بازار گا نہیں سکتا
کچھ ایسے "راز" ہیں سربستہ جن کے چہروں سے
نقاب اٹھانا جو چاہوں اٹھا نہیں سکتا

یاد رہے کہ ڈاکٹر محمد دین تاثیر ایم اے او کالج امرتسر کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ اسی لیے "سند باد جہازی" نے کالج کا پرنسپل نہ ہونے کا شکر ادا کیا ہے اور ڈاکٹر تاثیر پر متشاعر ہونے کا الزام لگایا:

تجھے ہے واسطہ کیا قطعہ و رباعی کا
کلام تیرا چوپائی ہے جو بولا ہے
کہاں کی شاعری، کیسی زباں کہاں کی غزل
زباں پہ تیری تو "پردیسیا" کا ڈھولا ہے

ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے قلمی نام سے "فتو لوہار" بالفاظ دیگر مولانا حسرت پر طنز کیا تو "فتو لوہار" یعنی حسرت نے یوں جواب دیا:

گھسیٹا اس لیے فتو سے الجھتا ہے کہ بن الجھے
وہ ممبر بن نہیں سکتا "سکتر" ہو نہیں سکتا
اسے ہے افسری مطلوب، لیکن وائے ناکامی
کچھ ایسی بات بگڑی ہے کہ افسر ہو نہیں سکتا

دیگر

فرار جس کا وظیفہ رہا ہے میداں میں
حریف حلقہ مردان کار بن بیٹھا
فلک سے لالہ و سرو سمن کا شکوہ ہے
کہ "بھٹ کٹیا" بھی شاخ چنار بن بیٹھا

مزید کہا

نمایاں ہے یہ ہر صورت سیرت کی عریانی
یہ تو اے دوست کا شانی نہ گنجاہی نہ ملتانی
تیرا انداز قامت جانتے ہیں جاننے والے
حجازی بن کہ رازی بن مجازی بن کہ عریانی
لوہاروں کا ہتھوڑا شاخ گل تو ہو نہیں سکتا
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ڈاکٹر تاثیر نے ذائقہ قلم بدلنے کے لیے جب نیا کچوکا دیا کہ:

بدل کے نام وہ فتو لوہار پھر بولا
وظیفہ خوار میں افتخار پھر بولا
وہ گالیاں مجھے دیتا ہے کچھ تو دیتا ہے
بگڑ کے بولا مگر میرا یار پھر بولا

تو سند باد جہازی یعنی فتو لوہار نے اہرن پر ہتھوڑا مار کر کہا:

نیا انقلاب ہے رخ پر عجیب چولا ہے
گھسیٹا آج ابو زید بن کے بولا ہے
برنگ شعر و ادب موتیوں کو رولا ہے
خزف نصیب! برا بول تو نے بولا ہے
یہ تیرے جہل کا عالم یہ تیرے علم کا حال
سمجھ رہا ہے کہ روسی نژاد ژولا ہے
اڑی اڑی سی ہے رنگت حواس بھی گم ہیں
میرے کلام نے نشتر عجب گھنگولا ہے

سند باد جہازی نے اپنے دشمن جاں جسے وہ ”گھٹیا کمہار“ کا نام دیتے ہیں معاف نہیں کیا۔ روزنامہ امروز لاہور کے شمارہ بابت ۲۹ دسمبر ۱۹۴۹ء میں یوں جواب دعویٰ داخل کیا:

شاعری آپ کی نہیں جاگیر

شعر فتو لوہار کیوں نہ کہے
ذکر صبح بہار کیوں نہ کرے
اسے صبح بہار کیوں نہ کہے
غیر نے راستہ جو ڈھونڈا ہے
اسے راہ فرار کیوں نہ کہے
کیوں الجھے ہو دل فگاروں سے
چھیڑ اچھی نہیں لوہاروں سے

لاہور کے اخبارات امروز اور مغربی پاکستان میں دونوں باکمال ادبا و شعرا کی چھیڑ چھاڑ نے قارئین کے لیے بے حد دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے مزا لینے کے لیے مولانا حسرت کو ایک بار پھر یوں جھنجوڑا:

اک بچھڑے زردار کا نوکر
اک بڑی سرکار کا نوکر
اک اردو اخبار کا نوکر
ہت تیرے نخرے میں گرم مصالحہ
ہت تیری گدہی کی دم میں نمدا
اس ''منڈی'' میں گھوم رہا ہوں
ہر چوکھٹ کو چوم رہا ہوں
وسکی پی کر جھوم رہا ہوں
ہت تیرے نخرے میں گرم مصالحہ

(ہیرا منڈی لاہور کا بازار حسن)

مولانا چراغ حسن حسرت بھلا کب خاموش رہتے دوسرے ہی دن ''امروز'' میں لکھا:

زمانے بھر کی شرافت کو دیکھنے والے
کبھی خود اپنی شرافت کو تو نے تولا ہے

اور یہ کہ

آج کل ان کو یہ شکایت ہے
شعر ''فتو لوہار'' کہتا ہے
قلب کو داغ دار کہتا ہے
آنکھ کو اشکبار کہتا ہے
جنھیں قسمت نے دی ہیں جاگیریں
انھیں جاگیر دار کہتا ہے
جن کے حصے میں ٹھوکریں ہیں فقط
انھیں زار و نزار کہتا ہے
جبر کو اختیار کرنا تھا
جبر کو اختیار کہتا ہے
موت کو غم گسار کہتا ہے
زیست کو غم گسار کہتا ہے
اہل جاگیر سے نہیں دبتا
ایک سنتا ہے چار کہتا ہے

حسرت مرحوم کے آخری ایام نہایت المناک تھے۔ انھوں نے شادی کے لیے تاریخ اسلام کی آٹھ جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا۔ لیکن پانچویں جلد کی اشاعت پر ہی ان کی شادی کی تاریخ طے پائی۔ وہ باکمال ادیب و مزاح نگار تھے لیکن جب کبھی کسی ادیب کی اقتصادی بدحالی دیکھتے تو بے حد سنجیدہ ہو جاتے۔ زندگی کے آخری دن وہ نوائے وقت لاہور کا مزاحیہ کالم ''سر راہے'' لکھ رہے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ وہ زندگی بھر لوگوں کو ہنساتے رہے مگر خود ان کی اپنی زندگی حسرت و یاس میں ہی گزری تھی۔

☆☆☆

مولانا ظفر علی خاں

شخصیت، کردار اور ''زمیندار''

سند باد جہازی نے ظفر علی خاں کی مزاجی کیفیت کی جو قلمی تصویر پیش کی ہے اس کا لطف وہی اٹھا سکتے ہیں جو اس زمانے کے پس منظر سے روشناس ہیں یا جنھیں ان لطیف اشاروں کا کچھ علم ہو جن کی ''سند باد جہازی'' نے نشان دہی کی ہے۔ ''دریائے ظفر علی خان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اور ندی نالے آملتے ہیں جن میں دریائے اختر علی خان بہت مشہور ہے۔ یہ دریا اصل میں دریائے ظفر علی خان کی ہی ایک شاخ ہے جو کرم آباد سے کچھ دور آگے بڑھ کر دریائے ظفر علی خان سے الگ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کے درمیان جو علاقہ ہے اسے ''دوآبہ زمیندار'' کہتے ہیں۔''

شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان لاہور نے بابائے صحافت کی شخصیت پر رائے زنی کی ''کانگریس میں گئے تو برہنہ تلوار۔ اس سے نکلے تو ذوالفقار۔ مجلس خلافت کی روح رواں تھے لیکن کنارہ کشی اختیار کی تو اپنے ہی ہم عصروں سے دو دو ہاتھ کیے۔ احرار کی عمارت اٹھائی لیکن شہید گنج کے کدال سے گرا بھی دی۔ اتحاد ملت کی بنیاد رکھی لیکن جلد ہی ڈھا دی۔ لیگ میں تھک ہار کر شریک ہو گئے اور اس کو گوشہ عافیت سمجھا۔ مگر طبیعت کا انداز جوں کا توں رہا۔''

انقلاب کے زمانے میں

مولانا عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر نے زمیندار سے قطع تعلق کر کے روزانہ انقلاب نکالا تو مولانا نے کہا:

انقلابات ہیں زمانے کے
مہر و سالک کے انقلاب کو دیکھ

''زمیندار'' کے خلاف انقلاب میں لکھا جانے لگا تو نیاز مندان لاہور بھی اس کے حلیف بن کر میدان میں اتر آئے۔ ان میں پطرس بخاری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، حفیظ جالندھری، ایم ڈی تاثیر اور پنڈت ہری چند اختر وغیرہ شامل تھے۔ ادھر مولانا ظفر علی خان تن تنہا ان سبھی کی خبر لیتے اور زمیندار میں ''نقاش'' کے قلمی نام سے مضامین لکھتے۔ اسی ذیل میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا تھا:

زمیندار ایک آپ اتنے مگر اوج صحافت پر
یہ اک تکل لڑے گا آپ کی ساری پتنگوں سے

جناح اور اقبال کی خفگی

ایک بار محمد علی جناح سے بگڑے تو قلم اٹھایا اور نیش زنی کی:

کیوں کر اس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

علامہ اقبال سے اچھے تعلقات رہے۔ ناراض ہوئے تو کہا:

مانگ کر احباب سے رجعت پسندی کا کدال
قبر آزادی کی کھودی کس نے؟ سر اقبال نے
کاٹ لی پنجاب کی ناک آپ اپنے ہاتھ سے
آبرو ملت کی کھودی کس نے؟ سر اقبال نے

اخبار مفت پڑھنے والوں پر طنزاً کہا:

پھٹکری سے مجھ کو مطلب ہے نہ ہڑ سے غرض

رنگ بے داموں ہی اس دامن میں چوکھا آئے گا
کارڈ اک بیرنگ رکھا ہے نمونے کے لیے
بند ہو کر ڈاک میں اخبار مفت آجائے گا
اک نئے پرچے کی میں ہر روز کر لیتا ہوں سیر
یوں ہی قاصد سال بھر نامے پہ نامہ لائے گا

(زمیندار ۶ / دسمبر ۱۹۱۶ء)

بابائے صحافت کا خطاب

ضیاء الدین احمد برنی لکھتے ہیں ''وہ صحیح معنوں میں بابائے صحافت تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے جن میں وجاہت حسین جھنجھانوی، مولوی عمادی، وحید الدین سلیم، چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، نیاز فتح پوری، حفیظ جالندھری، مرتضٰی خان میلش، حاجی لق لق اور غلام رسول مہر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جالب کی طرح ظفر علی بھی ہر اعتبار سے صحافی گر تھے۔

عام وخاص میں وہ کس قدر مقبول تھے اس کا ادنیٰ سا نمونہ یہ ہے کہ ترکی سے واپسی پر دہلی میں ان کا فقید المثال جلوس نکالا گیا تو لوگوں نے گاڑی کے گھوڑے کھول دیئے اور ان کی جگہ خود جت کر گاڑی کھینچنے لگے۔ طرابلس کی لڑائی میں انھوں نے ترکوں کی حمایت کی اور زمیندار میں ان کی مدد کی اپیل کی۔ زمیندار کی آواز پر اس زمانے میں لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔

وہ نظم ونثر میں غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔ انھیں سنگلاخ زمینوں اور ادق قافیوں پر جو عبور حاصل تھا اس میں سوائے اکبر الٰہ آبادی کے ان کا کوئی حریف نہیں تھا۔ مہاشہ کرشن کے اخبار روزانہ پرتاپ لاہور کے بعد زمیندار ہی کثیر الاشاعت ومقبول اخبار تھا۔ اشاعت کے لحاظ سے روزانہ ''پرتاپ'' ''زمیندار'' سے بہت آگے تھا۔

۱۷ / جنوری ۱۹۲۳ء کو ''سر'' کا خطاب ملنے پر علامہ اقبال نے راوی کے اس پار

شاہدرہ میں ایک دعوت دی۔ مولانا ظفر علی خان نے کہا:

سرفروشوں کے ہیں ہم سر آپ ہیں سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خانگی
عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اس میں مستتر ہے آپ کی فرزانگی
مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

(اقبال اور احمدیت صفحہ ۱۳۴)

جنرل ڈائر نے ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں خونیں ہولی کھیلی جس کے بعد لندن میں اس سانحۂ دلدوز کی تحقیق شروع ہوئی تو بابائے صحافت نے زمیندار میں دل کے پھپھولے پھوڑے۔

ولایت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا
طراز نامہ تھا نام گرامی اور ڈائر کا
ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں
بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا

زمیندار پر اُفتاد اور مولانا کی گرفتاری

۱۹۳۵ء میں مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نظر بند تھے۔ نظر بندی کے علاوہ ایک اور مصیبت میں بھی مبتلا تھے۔ انکم ٹیکس کا محکمہ بُری طرح ان کے درپے ہو رہا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ۳۰۔۱۹۲۹ء میں ادارہ زمیندار کے ایک رُکن جو اس وقت دفتر کے اکاؤنٹنٹ تھے زمیندار کے آمدن و خرچ کا حساب رکھنے میں مجرمانہ کوتاہی سے کام لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محکمہ انکم ٹیکس نے اپنے اندازے کے مطابق مذکورہ بالا سال کے لیے دو ہزار بتیس (۲۰۳۲) روپے زمیندار پر ٹیکس عائد کر دیا۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے مولانا سے مطالبہ کیا کہ وہ اس رقم کو فوراً ادا

کریں۔ جب مولانا اس رقم کی ادائیگی کا فوری طور پر انتظام نہ کر سکے تو ان کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔

مولانا نے انگریز ڈپٹی کمشنر سے یہ کہا کہ جب زمیندار ٹیکس کے قابل ہی نہیں کیوں کہ وہ خسارے میں ہے تو آپ اس پر ٹیکس کیوں لگاتے ہیں؟ لیکن مغرور ڈپٹی کمشنر نے اس معقول عذر پر کوئی توجہ نہ کی اور انھیں ایک ماہ کے لیے جیل بھیج دیا۔

۳۰۔۱۹۲۹ء میں زمیندار کی مالی حالت ضمانتوں اور ضبطیوں کی وجہ سے ویسے ہی ناقابل اطمینان تھی۔ ۱۹۳۵ء میں بھی زمیندار سے چار ہزار روپے کی ضمانت ضبط کرنے کے علاوہ سات ہزار روپے کی مزید ضمانت طلب کی گئی۔ درحقیقت انگریز حکومت ''زمیندار'' کے خلاف معاندانہ اقدام کر رہی تھی۔ انگریز سرکار نے مولانا ظفر علی خاں کی غیر منقولہ جائیداد واقع کرم آباد قرقی کر کے انکم ٹیکس کی رقم وصول کر لی۔ نظر بندی کے دوران مولانا ظفر علی خاں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ تاہم انھوں نے حوصلہ نہیں ہارا بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ شان صحافت کو قائم رکھا اور حکومت سے نظر بندی کا الاؤنس طلب نہیں کیا جب کہ وہ اس کے مستحق تھے۔

انقلاب کی ۱۸رستمبر ۱۹۳۵ کی اشاعت میں ایک ادارتی نوٹ شائع ہوا۔ ''احسان کے بعد سیاست اور زمیندار'' روزنامہ احسان کی ۵۰۰ روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی ہے اور ایک ہزار کی مطبع سے اور تین ہزار کی اخبار سے طلب کی گئی۔

آج ہمیں یہ معلوم کر کے بے حد صدمہ ہوا کہ زمیندار کی تین ہزار روپے کی اور اس کے مطبع کی ایک ہزار روپے کی ضمانتیں ضبط کر لی گئی تھیں اور زمیندار کو آئندہ شائع کرنے کے لیے غالباً اس سے بھی زیادہ رقم ضمانت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ زمیندار پر یہ وار ایبٹ آباد کے کسی جلسے کی روداد شائع کرنے کی وجہ سے کیا گیا۔

زمیندار کے مالک کرم آباد میں نظر بند ہیں اور چودھری غلام حیدر خاں صاحب بمشکل اخبار کو چلا رہے ہیں لیکن ہمیں یقین نہیں کہ زمیندار اس ضبطی کا اور اس کے بعد نئی ضمانت کا صدمہ برداشت کر سکے گا۔ لیکن چونکہ زمیندار اس سے پیشتر بارہا ایسے مصائب کا

شکار ہو چکا ہے اس لیے ممکن ہے کہ اس صدمے سے بھی جانبر ہو جائے۔ ہمیں اپنے محترم معاصرین سیاست اور زمیندار کے ساتھ اس حادثے میں دلی ہمدردی ہے۔

۱۵ر ستمبر ۱۹۳۵ء کے انقلاب لاہور کے سنڈے ایڈیشن کے پورے صفحہ پر "نظر بند" کے عنوان سے مولانا سالک نے ایک غزل شائع کر کے اظہار ہمدردی کیا۔ اس کا پہلا مصرع ہے:

کیا کم ہے یہ آفت کہ خیاباں میں ہوں پھر بند
صیاد! مجھے کنج قفس میں تو نہ کر بند

اور مقطع ہے:

تقریر ہے آزاد نہ تحریر ہے آزاد
شمشیر ہے آزاد مجاہد ہیں نظر بند

ظفر علی خاں کی غیرت مندی

مولانا عبد المجید سالک نے اپنے اخبار انقلاب میں پنجاب سرکار کا زمیندار پر عتاب ظاہر کرنا شروع کیا تو حکومت نے اشک شوئی کے لیے تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) کے ایک نائب تحصیل دار کو مولانا کی خدمت میں الاؤنس کی رقم دے کر بھیجا۔ ۷ر اکتوبر کو سرکاری اہل کار مبلغ تین سو روپے نقد نصف جن کے ڈیڑھ صد روپے ہوتے ہیں لے کر کرم آباد میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہاں وہ نظر بند تھے۔ یہ رقم مبلغ ۱۲۰ر روپے ماہوار کے حساب سے بطور وظیفہ تھی۔ غیرت مند صحافی مولانا ظفر علی خاں نے اس امداد کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے واپس کر دیا اور کہا مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی کو دوران اسیری میں ۵۰۰ روپے وظیفہ ملتا ہے اس پایہ کے دوسرے اسیروں اور نظر بندوں کے لیے اس سے بھی زیادہ شرح مقرر کی گئی ہے۔ اگر ۵۰۰ روپے کے حساب سے سرکار میرے گزارہ کی رقم منظور کرے تو مجھے منظوری میں تامل نہ ہوگا۔ لیکن ۱۲۰ روپے کی قلیل رقم تو بالکل ناکافی ہے۔ مجھے لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور سرکار کو دیتے ہوئے بھی حجاب دامن گیر ہونا چاہیے تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے نائب تحصیل

دار سے کہا کہ میرا یہ پیغام انگریز سرکار تک پہنچا دے۔

بعدازاں روزانہ انقلاب نے اپنی ۱۰/اکتوبر ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس واقعہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے مولانا کی تعریف و مدحت کی۔

مولانا عبدالمجید سالک کی فراخ دلی ملاحظہ ہو کہ وہ زمیندار والوں سے رنجش بھی رکھتے تھے اور ہمدردی بھی۔ جب کبھی زمیندار کی ضمانت طلب ہوتی یا کوئی افتاد پڑتی تو ''زمیندار'' کے حق میں نہ صرف لکھا بلکہ پوری حمایت کی اور ایک بار تو احسان، سیاست اور زمیندار کی ضمانتیں داخل کرنے کے لیے فنڈ بھی قائم کیا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے۔ ''زمیندار'' اور ''انقلاب'' کی عداوت پرلطف اور نصیحت آموز تھی۔

۱۹۳۸ء میں پنجاب کی سر سکندر حیات خاں کی وزارت نے غیر زراعت پیشہ افراد پر ایک نیا بل ٹھونس دیا تو اس کی صوبہ بھر میں زبردست مخالفت کی گئی تمام اخبارات نے بھی اسے ''کالا بل'' قرار دیتے ہوئے احتجاج کیا۔ لالہ نانک چند ناز نے ۱۹/اگست ۱۹۳۸ء کے روزانہ ملاپ لاہور میں یوں خامہ فرسائی کی۔

زمیندار اک طرف ہیں اور ہندو دوسری جانب
وہ کہتے ہیں سنہرے ہیں یہ کہتے ہیں یہ کالے ہیں
کہا میں نے کہ میں حق گو ہوں ایسی چال کیا جانوں
تمھارے ''بل'' سنہرے ہی سہی پر ڈسنے والے ہیں

حکومت پنجاب نے نئے ٹیکس عائد کیے تو صوبہ بھر میں احتجاج کیا گیا۔ جناب ناز نے بھی ملاپ کی ۳۱/دسمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں ہم نوائی کی۔

آج تیار ہیں وہ ٹیکس لگانے کے لیے
یہ ادا خوب ہے شہری کو ستانے کے لیے
شہر اور گاؤں میں تفریق کا انداز ہے یہ
انتہا دیکھئے کیا ہو ابھی آغاز ہے یہ
خوب یہ بارش الطاف و کرم ہوتی ہے

خوشی حکام کی محکوم کا غم ہوتی ہے
کچھ بھی ہو حق بہر حال ادا کرتے ہیں
اہل لاہور بلند اپنی صدا کرتے ہیں
پھر بھی آواز کا اے دوست اثر ہوتا ہے
موم بنتا ہے جو پتھر کا جگر ہوتا ہے
دردِ دل لب پہ فغاں بن کے جب آجاتا ہے
آسماں قوتِ فریاد سے تھراتا ہے

مولانا فضل الحق نے کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی شان میں گستاخی کی تو ناز صاحب یوں گرجے:

جو گپتا کہہ رہا ہو دوسروں کو
کہے اس بد زباں کو کون سچا
کبھی تیرا نہیں دریا میں وہ شخص
گھڑا جو لے کے آئے گھر سے کچا
(۹ر جنوری ۱۹۴۰ء)

سوہنی کمہارن اور اس کے کچے گھڑے کی تلمیح انھوں نے خوب استعمال کی ہے۔
اخبار شہباز اور خاکسار تحریک کے بارے میں انھوں نے ۱۰ر جون ۱۹۴۰ء کے ملاپ میں اس طرح کچوکے لگائے کہ حریف بلبلا اٹھے۔

کتابوں کی جگہ اس کے چمکتے بیلچے نکلے
لیا پولیس نے جب مشرقی کے ہاتھ سے بستہ
بہت غصے میں آیا تلملایا اور چلایا
پڑھے "شہباز" نے جب یہ میرے اشعار برجستہ

اور اس کے اگلے دن خاکساروں کے متعلق پھر کمر کسی:

"سول" نے کر دیا فاش اگلے دن اک راز سربستہ

کہ سارے خاکسار اس ملک میں ہیں پانچواں دستہ
اتاریں نازیوں نے چھتریاں ہالینڈ میں جا کر
تو یہ بھی ہو گئے لاہور کی گلیوں سے پیوستہ
نہ معلوم اس پہ کس دن سر سکندر گامزن ہوں گے
دکھایا ان کو شملے میں جو چھوٹو رام نے رستہ
یہ فتنہ خاکساروں کا کبھی کا مٹ چکا ہوتا
وزیرِ اعظمِ پنجاب گر اپنی کمر کستا

روزانہ انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے علامہ عنایت اللہ مشرقی کے خاکسار دستے کے متعلق خبر شائع کی تو جناب ناز صاحب کی بھی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔

لارڈ چیمبرلین کی چھتری نظم جو ۲۶ ردسمبر ۱۹۳۹ء کے ملاپ لاہور میں شائع ہوئی ملاحظہ ہو۔

چیمبر لین اگلے دن جب اپنی میگٹ لائن پر پہنچے
تو ہٹلر نے بطور تحفہ اٹھ کر پیش کی چھتری
یہ وہ چھتری تھی جس کو آپ چھوڑ آئے تھے میونخ میں
جسے گنوئرنگ نے سمجھا کسی رومال کی پتری
اگر ڈالے تو کیا برطانیہ گاندھی کی جھولی میں
کہ جیب اس نئی قینچی سے مسلم لیگ نے کتری

۲۰ راگست ۱۹۴۰ء کے ملاپ میں انھوں نے سامراجیوں کو خوب لتاڑا:

بہت انگریز کی سنتے تھے تعریف
بہت چرچا تھا اس کے کارواں کا
جہاں پہنچا کیا لوگوں کو آزار
جہاں ٹھہرا دیا پیغام اماں کا
مگر ثابت ہوا ناکام افسوس
جب آیا وقت سر پر امتحاں کا

وزیرِ ہند اڑاتے ہیں شب و روز
مذاق آزادیِ ہندوستاں کا

پھر انھوں نے سر سکندر حیات خاں کو بھی دونوں ہاتھ لیتے ہوئے کہا:

میں نے اسمبلی میں سکندر حیات سے
پوچھا کہ کیوں جناب زباں کھولتے نہیں
خود سر جناح کرنے لگا ہے وطن کو ختم
اور آپ اس کی خود سری پہ بولتے نہیں
صادق ہیں جو بشر وطنیت کے عشق میں
حبِ وُطن کی جنس وہ کم تولتے نہیں
کیا ہو گیا ہے آج یقیں کو جناب کے
میں نے سنا تھا آپ کبھی ڈولتے نہیں

(ملاپ لاہور ۱۶ / مارچ ۱۹۴۰ء)

۱۷ / دسمبر ۱۹۴۰ء کے ملاپ لاہور میں ''چلتے چلتے'' کالم کے تحت انھوں نے لکھا:

گاؤں کے چوپال میں اس سوال پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ لاہور شہر میں محصول چونگی ہے یا نہیں؟ اس اثنا میں وہاں ایک بوڑھا آ گیا اس سے پوچھا کیا بابا تم لاہور ریٹرنڈ ہو۔ بتاؤ کہ لاہور میں محصول چونگی ہے کہ نہیں؟ بوڑھے نے جواب دیا میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہتا ہوں میں لاہور میں رہا، کاروبار کیا، کسی نے محصول نہیں مانگا۔ لوگوں نے پوچھا بابا! کیا کام کرتے تھے؟ بوڑھے نے کہا اُپلے بیچتا تھا۔

۱۳ / اگست ۱۹۴۰ء کے ملاپ لاہور میں روزنامہ اخبار شہباز سے اس طرح چھیڑ چھاڑ کی۔ شہباز کے حاجی لق لق نے ایک شعر لکھا ہے:

رخِ حبیب پہ پردہ پڑا ہے پوڈر کا
وہ بے نقاب بھی ہیں پھر بھی بے نقاب نہیں

مولانا سید حبیب اپنے اخبار میں جواب دینا چاہیں تو یہ شعر حاضر ہے:

بڑھائی چہرے پہ داڑھی جناب لق لق نے
وہ بے نقاب بھی ہیں پھر بھی بے نقاب نہیں

روزانہ ملاپ کے شمارہ بابت ۹ مئی ۱۹۳۷ء میں ناز صاحب نے ایک ہنگامہ آرا نظم لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

ستم سے درۂ خیبر جو لرزا
جب اس میں ڈاکوؤں نے ڈالے ڈیرے
پکڑ کے لے گئے کچھ ہندوؤں کو
کیا میداں کو گویا ہیں لٹیرے
کیے برباد کیوں گھر بار ان کے
مٹائے کس لیے ان کے بسیرے

تو ''زمیندار'' کے ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کے فکاہات میں اس کا پوسٹ مارٹم اس طرح کیا گیا۔

نظم کے ادبی نقائص پر بحث کرنا فضول ہے کیونکہ ناز صاحب کو نہ اس کا احساس ہے اور نہ اس کی پروا صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ کے خیال میں ''آشیانہ'' کو بسیرا بھی کہتے ہیں حالانکہ بسیرا کرنا پرندوں کے آرام کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر ناز صاحب نے لکھا ہے:

فقیر آپ کی آزادی بھی ہے خوب
نکل کر گھاٹیوں سے منہ اندھیرے
نہتے شہریوں پر ٹوٹ پڑنا
لے جانا ساتھ اپنے ان کو گھیرے
کسی سے بخرے میں بھروانا حقے
کسی سے کہا سوت اس کا ''اٹیرے''
بہائے گا لہو تو گر کسی کا

تو سن لے اچھی طرح الفاظ میرے
کہ تیرا بھی نہ ثابت گھر رہے گا
ہم اٹھ کر پھاڑ ڈالیں گے پھریرے
کریں گے تیری بندوق کا نیلام
ڈبی بازار کے اندر ''کسیرے''

۱۲رمئی ۱۹۳۷ء کے ''زمیندار'' میں مولانا ظفر علی خاں نے جوابی حملہ کر دیا جس سے قارئین کے لیے دلچسپی کا نیا سامان پیدا ہو گیا۔ مولانا ظفر علی خاں کے تیور دیکھیے:

ملا .کل اس سراپا ناز سے میں
مراسم جس سے ہیں دیرینہ میرے
لگا کہنے کہ مجھ کو گھورتے ہیں
وزیرستان کی سرحد کے لٹیرے
نہیں انگریز کا بھی ان کو کچھ ڈر
پڑی ہیں جن کی فوجیں ان کا گھیرے
کھلا لاہور کے ان کو پکوڑے
کہ بھوکے ہیں یہ سرحد کے لٹیرے

☆☆☆

علامہ حسین میر کاشمیری

شہنشاہ ظرافت علامہ حسین میر کاشمیری باغ و بہار طبیعت و شخصیت کے مالک تھے۔ کٹڑہ کرم سنگھ کی گلی محمد شاہ میں سکونت رکھتے تھے۔ باکمال صحافی تھے لیکن پیشتر ازیں وہ نارتھ ویسٹرن ریلوے میں بطور کلرک بھرتی ہو گئے تھے۔ انگریزی پر عبور حاصل تھا لہٰذا بہت جلد اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ جب انگریز کی ملازمتیں ترک کرنے کی تحریک کا آغاز ہوا تو میدان صحافت میں اتر آئے۔ مولانا ظفر علی خاں کے روزانہ زمیندار لاہور میں بطور معاون مدیر ملازم ہو گئے۔ ۶۰ روپے ماہانہ تنخواہ ملتی۔ ایک بار زمیندار مالی بحران سے دوچار ہو گیا تو علامہ نے تنخواہ وصول کرنے کا نیا طریقہ تلاش کر لیا۔ وہ ہر روز امرتسر کے نیوز ایجنٹ سے دو روپے وصول کر لیتے اس طرح حساب بے باق ہو جاتا۔ انگریزی خبروں کا ترجمہ کرتے۔ علامہ ہر صبح امرتسر سے بذریعہ ریل گاڑی لاہور جاتے۔ سارا دن زمیندار میں انگریزی خبروں کا ترجمہ کرتے شام کو واپس امرتسر آ جاتے۔ نہایت شگفتہ مزاج ہمہ وقت خود ہنستے دوسروں کو ہنساتے۔ زمیندار سے وہ مولانا سالک کے انقلاب سے وابستہ ہو گئے۔ جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا تو اہل خانہ کفن پر قرآنی آیات لکھوانے لگے علامہ کی رگِ ظرافت جو پھڑکی تو فرمانے لگے۔ بھائی پارسل پر صحیح پتہ لکھنا کہیں ایسا نہ ہو غلط پتہ لکھنے پر اللہ میاں اسے واپس بھجوا دیں۔ علامہ بڑے خوش خوراک تھے۔ اکثر بٹیر کانفرنس یا مرغ کانفرنس کے نام پر احباب کو دعوتیں دیتے خود کھاتے دوستوں کو بھی

کھلاتے۔ پنجاب اسمبلی کی کارروائی قلم بند کرنے کے لیے علامہ موصوف کو ہی نامزد کیا جاتا تھا۔ ایک بار اسمبلی کی پریس گیلری میں بہت بھیڑ تھی۔ علامہ کسی کام کے لیے اٹھے تو ایک مدراسی وہاں جم کر بیٹھ گیا۔ وہ مدراسی تنگیٔ جا کی وجہ سے کچھ لکھنے سے معذور تھا۔ علامہ حسین میر نے سمجھا کوئی غیر جرنلسٹ ہے۔ انھوں نے انگریزی میں پوچھا۔

''آپ کس اخبار کی نمائندگی کرتے ہیں؟''

مدراسی نے جواب دیا۔''میں ڈیلی میل مدراس کی نمائندگی کرتا ہوں اور آپ.......''
حسین میر نے انگریزی میں جواب دیا کہ''میں ڈیلی بلیک میل لاہور کا نمائندہ ہوں۔'' اتنا کہنا تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے تمام جرنلسٹ ہنس پڑے۔ اس کے ساتھ ہی علامہ حسین میر کے بیٹھنے کے لیے جگہ نکل آئی۔ مرغ و ماہی اور زردہ پلاؤ حضرت کی کمزوری تھی۔ جہاں کہیں ان ماکولات کا نام سنا رال ٹپکانے لگتے۔ یار لوگ انھیں میر حسین موچنا کہہ کر چھیڑا کرتے تھے۔ وہ اس پر بھڑک اٹھتے اور خوب صلواتیں سناتے۔ ایک بار کچھ اشخاص نے انھیں مرغ پلاؤ کی دعوت دی۔ اس دوران کسی نے استفسار کیا۔ علامہ یہ 'موچنا' کیا ہے اور موچنا آپ کے نام سے کیوں منسوب ہے؟ اس وقت علامہ ترنگ میں تھے۔ صاف صاف بول اٹھے کہ ہم نے بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی۔ انھوں نے وضاحت بیان کی کہ انارکلی فلم میں مشہور ایکٹریس سلوچنا نے انارکلی کا رول ادا کیا تھا۔ اس فلم کا آخری حصہ لاہور میں فلمایا گیا۔ اس فلم میں سلوچنا پر قتل کا الزام تھا۔ اسے قاضی کی عدالت میں پیش کیا جانا تھا۔

فلم کے ڈائریکٹر کو قاضی اور پانچ مفتیوں کا رول ادا کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ میں ان دنوں مولانا عبدالمجید سالک کے انقلاب میں بطور سب ایڈیٹر کام کرتا تھا۔ ڈائریکٹر کی نگاہ کرم ہم غریبوں پر پڑی۔ چنانچہ مجھے قاضی اور پانچ کاتبوں کو مفتیوں کا رول ادا کرنے کے لیے منتخب کیا گیا۔ ہم سبھی 'بزرگوں' کی داڑھیاں سیاہ تھیں۔ میک اپ میں ہماری داڑھیوں پر کوئی محلول لگا دیا گیا جس سے داڑھیوں کا رنگ نورانی ہو گیا۔ لارنس گارڈن میں ایک درخت کے نیچے قالین بچھوا کر گاؤ تکیے رکھ دیے گئے اور عدالت کا نقشہ قائم کر دیا گیا۔ ہم سبھی حسب ہدایت پگڑیاں باندھ کر بیٹھ گئے۔ پولیس ملزمہ (سلوچنا) کو لے کر حاضر عدالت ہوئی اور

عدالت نے شریعت کے مطابق جرم کی سماعت شروع کردی جیسا کہ ڈائریکٹر نے بتایا ہوا تھا۔ ملزمہ نے روتے ہوئے اقبال جرم کرلیا۔ قاضی یعنی میں نے مفتیوں بالفاظ دیگر کاتبوں سے رائے پوچھی۔ ان سبھی نے اتفاق رائے سے اپنا فتویٰ دے دیا کہ ملزمہ قتل کی مرتکب ہے۔ اس لیے سزائے موت کی مستحق ہے اور قاضی نے فتوے پر دستخط کردیے۔

اتنا سارول ادا کرنے پر ہم لوگوں کو معقول معاوضہ ملا۔ لیکن سبھی کی داڑھیاں کئی دن تک اپنے اصل رنگ میں نہ آسکیں۔ چراغ حسن حسرت نے میرا حلیہ دیکھ کر ایک نظم کہی جو زمیندار میں چھپ گئی۔ اس نظم کے ہر بند کے آخر میں ''حسین میر موچنا کہہ گئی سلوچنا'' آتا تھا۔ یہ نظم عام اور خاص میں اس قدر مقبول ہوئی کہ میں جہاں سے گزرتا چھوٹے لڑکے تک مجھے چڑانے کے لیے ''حسین میر موچنا کہہ گئی سلوچنا'' کہہ کر ''سلوچنا سلوچنا'' کا شور مچادیتے۔ جن دنوں تحریک خلافت عروج پر تھی۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو آل انڈیا خلافت کانفرنس کے جلسے منعقد کرنے لگے تو علامہ موصوف کو نہ جانے کیا سوجھی۔ آل انڈیا ضیافت کانفرنس کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا تو کھلبلی سی مچ گئی۔ جس میں لکھا تھا ۳۱ رنومبر کی رات کے بارہ بجے ایک عظیم الشان جلوس نکلے گا جو شہر امرتسر کے مختلف بازاروں سے گزرتا ہوا قبرستان میں ختم ہوگا۔ وہاں مقامی صفدر حسن تازہ قبروں کے کفن کھسوٹیں گے اور اپنے نام نہاد مذہبی وقار کی آڑ میں محاسبہ سے بے فکر ہو کر اس مشغلہ کو طلوع آفتاب تک جاری رکھیں گے اس کے بعد کانفرنس کی کارروائی شروع ہوگی۔ علامہ نے ایک اخبار ضیافت پنچ بھی جاری کیا جو شعلۂ مستعجل ثابت ہوا۔ لیکن اپنے پیچھے علامہ کی طبع ظرافت کی چھاپ ضرور چھوڑ گیا۔

مولانا سالک نے ایک نظم کہی تھی جس کا یہ شعر بے حد مشہور ہوا:

تمھیں سے اے مجاہدو جہان کا ثبات ہے

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

خوردونوش کے بے حد شوقین تھے۔ ان کے کلام سے بھی ان کی بسیار خوری اور شوق کام ودہن مترشح ہے۔

کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا
قورمہ قلیہ نصیبِ احمقاں ہو جائے گا
کیک بسکٹ کھائیں گے الو کے پٹھے رات دن
اور شریفوں کے لیے آٹا گراں ہو جائے گا
اے بھنے تیتر نہ ڈر باورچیوں کی قید سے
پیٹ میرا تیری خاطر آشیاں ہو جائے گا

ان کا ایک شعر قابل غور ہے:

آرزو انگیز ہے جاناں کے مطبخ کی فضا
جو دھواں چمنی سے اٹھا عشق پیچاں ہو گیا

دیگر:

اڑ کے بیٹھے جو کوئی دیگ کا چمچہ ہو کر
پائے گا اپنی مرادیں یدِ طولیٰ ہو کر
اپنی ہستی سے گزر چا ہے جو دنیا میں فروغ
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتہ ہو کر

علامہ حسین میر شہنشاہ ظرافت تھے خود ہنستے دوسروں کو ہنساتے اور رہی ان کی قابلِ رشک صحت وتندرستی کا راز تھا۔ پچاسی سال کی عمر پائی اور لاہور میں انتقال کیا۔

☆☆☆

عبدالمجید سالک

افکار و حوادث کی روشنی میں

بیسویں صدی کے ربع اول میں اردو صحافت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ پنجاب کے اردو اخبارات میں روزانہ پیسہ اخبار لاہور، زمیندار، پرتاپ، انقلاب اور وکیل امرتسر کا شہرہ تھا۔ ان دنوں صحافت میں ظرافت کو جزو لازم خیال کیا جاتا تھا تاکہ اخبار میں رطب و یابس دونوں کا باہمی امتزاج قارئین کی دلچسپی کا موجب بنا رہے۔ مولوی محبوب عالم تو اپنے ''پیسہ اخبار'' میں کارٹون یا لطائف شائع کرنے پر ہی اکتفا کرتے تھے جبکہ ''زمیندار'' نے مستقل طور پر فکاہیہ کالم کا آغاز کر کے اردو صحافت کو نئی جہت عطا کی تھی۔ ارباب ذوق کی رائے میں روزانہ زمیندار لاہور میں فکاہیہ نویسی کی بنیادیں استوار کرنے میں مولانا عبدالمجید سالک کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ انھوں نے اگرچہ اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۲۰ برس کی عمر میں ماہنامہ ''فانوس خیال'' پٹھان کوٹ سے کیا تھا لیکن فی الواقع ان کی صحافتی زندگی کا سفر روزانہ زمیندار لاہور سے شروع ہوا تھا۔

بقول ان کے وہ روزانہ وکیل امرتسر سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ عرصہ کے لیے امرتسر میں مولوی غلام محمد اختر مالک اختر ہند پریس کے یہاں مقیم رہے۔ امرتسر میں حکیم فیروز الدین طغرائی، مولانا محمد حسین عرشی، میر کرامت اللہ، منشی غلام قادر فرخ اور حکیم غلام جیلانی جیسی علمی و ادبی شخصیتوں کے فیضان صحبت نے انھیں جلائے بخشی تو ان کے دل میں روزانہ زمیندار کے حلقہ ادارت میں شامل ہونے کی آرزو انگڑائیاں لینے لگی۔ انھوں نے

لاہور کی طرف مراجعت کی۔ وہاں مولوی وجاہت علی فیض جھنجھانوی کی وساطت سے سید مختار علی کے اخبار ''پھول'' اور ''تہذیب نسواں'' میں ملازمت مل گئی۔ انہی دنوں زمیندار کے پیمبر نمبر کے لیے انھوں نے ایک سیر حاصل مضمون بھیجا جو پسند کیا گیا۔ اس کی اشاعت سے مولانا ظفر علی خاں (ایڈیٹر زمیندار) کی نظر میں مولانا سالک کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ انھوں نے انھیں اپنے اخبار کے حلقۂ ادارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو مولانا سالک نے زمیندار لاہور میں بہ حیثیت سب ایڈیٹر ملازمت اختیار کی۔ اس وقت زمیندار اور پرتاپ دونوں ہی کثیر الاشاعت اخبار تھے۔ تب تک لالہ خوشحال چند کا ملاپ جاری نہیں ہوا تھا۔ زمیندار مسلم لیگ کا ترجمان تھا تو مہاشہ کرشن کا پرتاپ قوم پرستوں کا حلیف۔ اس لیے دونوں میں معاصرانہ چشمک رہتی۔ طرفین میں نوک جھونک ہوتی۔ لیکن شائستگی کے ساتھ اس میں ابتذال کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا کہ جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ یہ صحافتی جنگ ناظرین کے لیے نہایت دل چسپ بھی تھی اور پُر لطف بھی۔ اکثر لوگ زبان کے چٹخارے لینے کے لیے اخبار خریدتے تھے۔ مولانا عبد المجید سالک نے ''زمیندار'' میں مستقل فکاہیہ کالم بعنوان ''افکار و حوادث'' شروع کیا۔ کبھی مولانا ابوالکلام آزاد بھی اپنے اخبار ''الہلال'' میں اسی عنوان کے تحت فکاہیہ نویسی کے جوہر دکھایا کرتے تھے۔ اس کالم میں مولانا سالک جس خیال کا اظہار کرنا چاہتے اسے عمدہ الفاظ، نئی نئی تراکیب اور محاوروں کا جامہ پہنا کر قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرتے۔ وہ صاحب طنز و مزاح تھے۔ ان کی زبانِ قلم سے پھول جھڑتے تو ساتھ ہی کبھی کبھی کانٹوں کی چبھن بھی درد و لذت کا احساس پیدا کر دیتی تھی۔ اس فکاہیہ کالم کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی روز افکار و حوادث شریک اشاعت ہونے سے رہ جاتا تو قارئین شکایت کرتے۔ اخبار کے دفتر کو شکایتی مراسلات بھجواتے۔ ایک بار تو علامہ اقبال نے بھی مولانا سالک سے فرمائش کی تھی کہ ہر روز دو کالم لکھا کریں۔ کیونکہ ایک کالم سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ مگر مولانا سالک نے معذوری ظاہر کی اور عربی کا ایک مصرع پڑھ کر کہا کہ ''سالن میں نمک اسی قدر ہونا چاہئے جتنی کہ اس کی ضرورت ہو۔''

''افکار و حوادث'' کالم کی تخصیص یہ بھی تھی کہ زبان ہلکی پھلکی ٹکسالی اور ادبی چاشنی لیے ہوتی تھی۔ مولانا سالک سیاسی، معاشرتی، ملکی اور علمی و ادبی معاملات پر بے ساختہ بہت کچھ کہہ جاتے تھے۔ ان کے نگارش میں بے تکلف رنگِ مزاح ہوتا۔ وہ مخالفوں پر طنز کرتے تو نہایت سلیقہ کے ساتھ۔ ان کی زبان میں اس قدر شائستگی و پختگی و بے ساختگی ہوتی کہ پڑھنے والا داد دیے بغیر نہ رہتا۔ کچھ وقت کے لیے جب مولانا سالک پسِ دیوار زنداں چلے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں مولانا غلام رسول مہر (غالب والے) نے اس کالم کو سنبھال لیا اور جب سالک و مہر نے زمیندار سے الگ ہو کر اپنا اخبار ''انقلاب'' جاری کیا تو اس میں بھی ''افکار و حوادث'' کے لیے راہ نکالی گئی۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ اخبار زمیندار میں کسی نے بڑ ہانکی کہ ''یہ تو مولانا ظفر علی خان کی ہی صحبت اور شاگردی کا نتیجہ ہے کہ مہر و سالک اخبار ''انقلاب'' نکالے بیٹھے ہیں۔ وگرنہ ان کی حیثیت ہی کیا تھی؟ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ..........''

اس طرح جارحانہ حملہ ہوا تو مولانا سالک نے بھی جوابی کارروئی کرتے ہوئے ''افکار و حوادث'' میں زمیندار کی کچھ اس طرح خبر لی کہ زمیندار والوں کے ہوش اڑ گئے انھوں نے لکھا:

''اگر مولانا ظفر علی خان کا فیضِ صحبت ایسے کرشمے دکھا سکتا ہے تو اس کا اثر ان کے صاحبزادے اختر علی خان پر کیوں نہ ہوا؟ آیا زمین شور تھی یا تخم ناقص؟'' اس جوابی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے ''زمیندار'' نے بھی ''مہر و سالک'' کو خوب کوسا۔ بلکہ مولانا ظفر علی خاں نے تو ''زمیندار'' میں منظوم حملے بھی کیے جس سے اخباری دنیا میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ لاہور کے کچھ ادیب و شاعر زمیندار کے حواری بن گئے تو بعض انقلاب کے سائے تلے جمع ہو کر آگ کو ہوا دینے لگے۔ اس کے بعد باقاعدہ قلمی جنگ شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر، پنڈت ہری چند اختر، چراغ حسن حسرت اور دوسرے ممتاز صحافی و ادیب ''انقلاب'' کے ہم نوا بنے تو دوسری جانب ابو العلاء چشتی حاجی لق لق اور کچھ دوسرے زمیندار کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

مولانا ظفر علی خاں نے ہجو میں نظمیں لکھنا شروع کیں تو جواب میں ''مہر و سالک''

بھی ان سے پیچھے نہ رہے اور اس طرح طرفین میں کئی ماہ تک تیر و نشتر کی تیز و تند بارش ہوتی رہی۔ پھر یکا یک خاموشی چھا گئی اور مطلع صاف ہو گیا۔

ماہ اپریل ۱۹۲۰ء میں مولانا عبد المجید سالک روزانہ زمیندار لاہور کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس وقت اخبار کے ادارہ میں چودھری غلام حیدر خاں جو مولانا کے بھائی تھے اور مرزا سعید بیگ کام کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران پنجاب کے اخبارات سر مائیکل اڈوائر کے ستم کا شکار ہو چکے تھے اس لیے دوسرے صوبہ جات کے اخبارات جن میں صحیح حالات و واقعات موجود ہوتے پنجاب آنے لگے لیکن حکومت پنجاب کا عتاب ان پر نازل ہوا یعنی کہ ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ لاہور میں ''پرتاپ''، ''ملاپ''، ''ویر بھارت'' اور ''زمیندار'' کا طوطی بولتا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر اداراتی نوٹ لکھتے جبکہ مولانا سالک افکار و حوادث آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکش زمیندار کے چیف نیوز ایڈیٹر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے صاحبزادے اختر علی خاں دونوں جیل میں تھے۔ تب انھوں نے ایک مستقل مزاحیہ کالم لکھنے کا فیصلہ کیا جو پہلے ایک کالم پر چھپتا تھا بعد ازاں دو کالم پر۔ افکار و حوادث کا عنوان اول اول مولانا ابو الکلام آزاد کے اخبار ہفتہ وار ''الہلال'' کی زینت ہوا کرتا تھا۔ ''زمیندار'' کے اس مزاحیہ کالم کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر طبقہ کے افراد بے تابی سے ساتھ زمیندار کے منتظر رہتے کئی اصحاب تو مزاحیہ کالم افکار و حوادث پڑھ کر اخبار پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اس کی بجائے آسان زبان میں چھپنے والے پرتاپ ملاپ اور ویر بھارت جیسے اخبارات کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ مؤخر الذکر اخبارات کی زبان صحیح معنوں میں عوامی اور عام فہم ہوتی تھی جبکہ ''زمیندار'' کی زبان ثقیل۔

اس زمانے میں منشی کفایت اللہ، ڈاکٹر محمد اقبال، حکیم اجمل خاں، حکیم فقیر محمد چشتی اور دوسرے ہزاروں مولانا سالک کے مضامین افکار و حوادث کے مشتاق رہتے تھے۔

افکار و حوادث کی ایک افادی حیثیت یہ تھی کہ سیاسی، سماجی، علمی و ادبی مسائل پر ایسی باتیں طنزاً کہہ جاتے کہ ان کا دور رس نتیجہ برآمد ہوتا۔ ادبی چاشنی کا لطف بے تکلف مزاح اور سہل زبان اس کالم کی خصوصیت تھی۔

مولانا جھوٹے مکار عیار فقیروں، پیروں، مجاوروں، عاملوں اور جیوتشیوں کو خوب

آڑے ہاتھوں لیتے اور ان کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے کہ پڑھنے والا بے ساختہ واہ واہ کہہ اٹھتا۔ حالی نے بھی کہا تھا کہ اچھا شعر وہی ہے جسے سن کر سبھی بے ساختہ داد دینے لگیں۔ یہی خصوصیت و کیفیت افکار و حوادث کی تھی جسے اس زمانے میں پذیرائی حاصل تھی۔ مہر و سالک جب زمیندار سے علیحدہ ہو کر اپنا اخبار ''انقلاب'' نکالنے لگے تو افکار و حوادث کا مستقل کالم بھی ساتھ لیتے آئے۔

۲۰؍ مارچ ۱۹۲۷ء کو انقلاب کا پہلا شمارہ شائع ہوا تو خلاف توقع ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ چند ہی دنوں میں اس کی تعداد اشاعت دس ہزار تک جا پہنچی۔ اس سے اخبار کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مولانا سالک کے افکار و حوادث کا ایک نمونہ یہ ہے:

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں کوئی حکیم صاحب تھے جنھوں نے پردہ نشین عورتوں کی نبض دیکھنے کا یہ طریقہ نکالا کہ رسی کے ایک سرے سے پردہ نشیں کی کلائی کو باندھ دیا جاتا اور دوسرا سرا پردے کے باہر حکیم صاحب تک پہنچا دیا جاتا۔ حکیم صاحب رسی پر انگیاں رکھ کر نبض کی کیفیت معلوم کر لیتے تھے اور تشخیص مکمل کر کے نسخہ لکھ دیتے تھے۔

ایک دن یار لوگوں کو دل لگی سوجھی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے حکیم صاحب کو بلا کر لے گئے گھر کے اندر رسی کے ایک سرے سے ایک بلی کی ٹانگ کو باندھ دیا اور دوسرا سرا حکیم صاحب کے ہاتھ میں تھما کر عرض کی کہ حضور مریضہ کی نبض دیکھ لیجیے۔ حکیم صاحب نے رسی پر انگلیاں رکھیں اور فرمانے لگے کہ مریضہ کچا گوشت کھا گئی ہے اور وہ ابھی ہضم نہیں ہوا۔ یار لوگ بے اختیار ہنس دیے اور حکیم صاحب کے کمال نباضی کے مداح ہو گئے۔

اب ۱۵؍ جولائی ۱۹۳۸ء کے انقلاب لاہور کے ''افکار و حوادث'' کا حوالہ ملاحظہ ہو:

''ایک ڈپٹی صاحب نے اپنے ایک ماتحت کو اردو میں لکھا کہ میں تمھارے علاقے کے فلاں گھاٹ سے دریا کو عبور کر کے اس پار کے علاقوں کا معائنہ کروں گا۔ تم ایک اچھی سی کشتی میرے لیے تیار رکھنا۔ چونکہ یہ روبکار خط شکستہ میں لکھی گئی تھی اس لیے مکتوب الیہ نے ''کشتی'' کو ''کسبی'' (طوائف) پڑھا۔ چنانچہ جب ڈپٹی صاحب گھاٹ پر پہنچے تو لب دریا رقص و سرود کی محفل جمی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ حسب الحکم کسبی مجرے کا انتظام کیا گیا ہے۔''

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۵ء کے روزانہ انقلاب لاہور کا کالم ملاحظہ ہو:

ایک دن کا ذکر ہے کہ بعض صاحب لوگ اور ان کی میمیں کھانے پر مدعو تھیں۔ کھانے کے بعد اِدھر اُدھر کی گپیں شروع ہوئیں بعض صاحبوں نے ایک دو ہندوستانی کھانوں کی تعریف کی کسی نے کہا پلاؤ خوب چیز ہے کوئی صاحب کباب کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے کسی نے فیرنی کی قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ میم صاحب نے اپنی معلومات کا ثبوت دینے کے لیے بے ساختہ فرمایا "لیکن چپراسی مجھے پسند نہیں کیونکہ پیٹ پر اس کا دیر تک بوجھ رہتا ہے۔" صاحب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور بڑی دیر کے بعد میم صاحب کو احساس ہوا کہ وہ چپاتی کے بجائے چپراسی فرما گئی ہیں۔" میم صاحب نے خانساماں سے کہا ہم کو چپاتی دکھاؤ، خان ساماں نے چپاتی پیش کی حکم ہوا کہ کل صبح کی چائے کے ساتھ توس کی بجائے چپاتی لانا۔

ایک دو دن میم صاحب نے چپاتی استعمال فرمائی اس کے بعد شوق جاتا رہا۔ لیکن میم صاحب کی معلومات میں ہندوستانی الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا چلا گیا۔ انقلاب لاہور کی اشاعت بابت ۲۸ر مئی ۱۹۳۵ء کا کالم ملاحظہ ہو:

"لکھنؤ کے کارنیوال میں ایک مشاعرہ تھا۔ جس میں بعض مشہور شعرا مثلاً جوش ملیح آبادی، جناب جگر مراد آبادی اور دیگر شاعر حضرات شامل ہوئے۔ پچھلے دنوں خبر موصول ہوئی کہ بعض چھوٹے قسم کے ڈاکوؤں کو ان شعرا کے متعلق مالداری و دولت مندی کا شبہ ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ان سخنوران بے مثال کی ٹولی کو روک کر اس پر لاٹھی چارج کیا اور جب ان حضرات کے ہوش و حواس غائب ہو گئے ان کی جیبوں سے نقدی نکال کر رفو چکر ہو گئے بلکہ ان کی غیر حاضری میں ان کی قیام گاہ پر پہنچ کر ٹرنکوں اور سوٹ کیسوں پر بھی ہاتھ صاف کیا اور ممکن ہے کہ کچھ غزلیں بھی چرا کر لے گئے ہوں کیونکہ لکھنؤ کے ڈاکو بھی شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ بقول شخصے وہاں تو یہ کیفیت ہے اکا کی سواریاں بھی شاعر اگے والا بھی شاعر اور بعض وقت تو گھوڑا بھی شاعر نکلتا ہے........"

بہر حال ہمیں شعرا کی اس تاراجی میں ان سے دلی ہمدردی ہے۔ لکھنؤ کے بدمذاق لٹیروں نے اتنا تکلف خواہ مخواہ کیا۔ شاعر بے چارے کی حقیقت ہی کیا اس کو لاٹھیوں سے

زیر کرنا پرلے درجے کی کور ذوقی ہے وہ تو ایک ادا سے ہی شہید ہو جاتے ہیں۔ اس مزاحیہ کالم میں مولانا نے اہل لکھنؤ کی معاشرت اور شاعروں کی سرشت کا جو نقشہ اپنے دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے وہ قابلِ داد ہے۔

۵رجون ۱۹۳۵ء کے انقلاب لاہور کے افکار و حوادث کا ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ''جمشید پور ٹاٹا نگر میں لوہے کا ایک عظیم کارخانہ ہے اور اس میں محفوظی مقدم'' کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کارخانہ کے ایک ملازم گنگا بشندہ جی کے دماغ میں جو شاعری کا کیڑا کلبلایا تو آپ نے ایک نظم یاد رکھنا سیفٹی کے عنوان سے کہہ ڈالی جس کا اس قدر شہرہ ہوا کہ اس نظم کو چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

ہے بھگوان ہو چرچا ہر زباں پر یاد رکھنا سیفٹی
ہر بشر کو ہے ضروری یاد رکھنا سیفٹی
ہوتا ہے برباد ''نہ ستی پن کے بوجھ سے''
ڈھیلے پن کو چھوڑ کر کے یاد رکھنا سیفٹی

کس قدر سخن طرازی اور معنی آفرینی ہے کہ زمین پر ٹاٹا کمپنی اور آسمان پر روح الامین داد و تحسین کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔ اس نظم میں سے قابل توجہ اشعار منتخب کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے کہ آئے جس کا جی چاہے۔

بقول یوپی کے شاعروں کے انتخاب کی نگاہ کی پسلی پھڑک اٹھی ہے اور اچھے خاصے آدمی کو نمونیہ ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم استاد امام دین گجراتی کے فیضان روحانی کا نتیجہ اور ان کے بانگ دہلی کا ضمیمہ ہے۔ جتنی خوبیاں استاد کے کلام میں پائی جاتی ہیں ان سے زیادہ اس نظم میں آتی ہیں۔ ''پدر اگر نتواند پسر تمام کند (اگر باپ کوئی کام ادھورا چھوڑتا ہے تو اس کا لڑکا اسے پورا کرتا ہے)۔

جب تک اس شاعری کے قدر دان باقی ہیں یہ شاعری برابر زندہ رہے گی اور ایسے شعرا انعام پاتے رہیں گے۔''

☆☆☆

عظیم طنز نگار

ساگر چند مہاجن گورکھا

اپنے وقت کے نامور مزاح نویس ساگر چند مہاجن بی۔اے۔المعروف گورکھا نے اگر چہ صرف چند سال تک طنز و مزاح کا کالم تخصیصی انداز میں لکھا تاہم اپنی مختصر صحافتی زندگی میں ایسے لازوال نقش پا چھوڑ گئے جو اخلاف کے لیے رہنما ثابت ہوئے۔ مہاشہ کرشن کے روزانہ پرتاپ لاہور میں وہ گپ شپ کے مستقل کالم میں پھلجھڑیاں چھوڑتے لیکن بڑی احتیاط سے، مبادہ کوئی چنگاری کسی کا دامن داغدار کردے۔ شعوری و غیر شعوری طور پر تہذیب و اخلاق کے دائرے سے باہر نہ جاتے۔ یہی ان کی دلچسپ تحریروں کا خاصہ تھا۔ جس کی بدولت وہ اہل ہنر کی نظر میں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گورکھا کے فکاہی کالم ''گپ شپ'' میں لطیف طنز کا عنصر اس طرح موجود ہوتا کہ قاری اس کا اثر لیے بغیر نہ رہتا۔ انداز تحریر میں شگفتگی، پختگی اور برجستگی کا پہلو اس حد تک نمایاں ہوتا کہ جسے ہدف قلم بنایا جاتا وہ بھی داد دیے بغیر نہ رہتا۔

گورکھا کو نظم و نثر دونوں اصناف پر قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے اور نظمیں بھی لیکن بہت کم۔ لاہور کے علمی و ادبی اور صحافتی حلقوں میں ان کی شہرت تھی اور عزت بھی۔ انھوں نے بی اے کرنے کے بعد روزانہ ویر بھارت میں ملازمت کی بعد ازاں ۱۹۳۳ء میں گورداسپور سے شائع ہونے والے مہاجن سماچار کی ادارت سنبھالی۔

مہاجن برادری کا یہ ہفت روزہ قد آور اخبار تھا۔ ایک جماعتی اخبار ہونے کے باوجود اس میں علمی وادبی مضامین بھی شریک ہوتے تھے۔ ۲۸ر جنوری ۱۹۳۴ء کے مہاجن سماچار میں معزز حاضرین کی نظروں میں کالم کے تحت روزانہ بندے ماترم لاہور کے ہفتہ وار جاگرتی لائلپور اور ہفتہ وار جموں کے تبصرے شامل کیے گئے ہیں۔ جن میں ساگر چند (گورکھانہیں) کی علمی وادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔ خوش ذوقی گھٹی میں پڑی تھی۔ شکل وصورت کچھ ایسی دلکش تھی کہ اپنا قلمی نام گورکھا تجویز کیا اور روزانہ پرتاپ لاہور میں گپ شپ کے عنوان سے کالم لکھنے لگے۔

۱۹۳۹ء میں لالہ نانک چند ناز پرتاپ سے الگ ہوکر ملاپ لاہور میں چلے گئے اور اسی سال کے آخر میں ساگر چند گورکھا بھی لاہور کی اخباری دنیا چھوڑ کر آل انڈیا ریڈیو کے دائرے میں آ گئے۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کے روزانہ ملاپ لاہور کے فکاہی کالم ''آکاش وانی'' میں لالہ نانک چند ناز نے گورکھا کی اخبارات سے علیحدگی اور ریڈیو سے وابستگی کو ایک المیہ قرار دیتے ہوئے لکھا...... ساگر چند گورکھا نے مزاح نگاری کی ڈیوٹی دینا شروع کی جو ڈیوٹی اس نے ضابطے سے دی کہ اس کا اصلی نام تو گیا لیکن مصنوعی نام دو تین سال تک چمکتا رہا۔ وہ میرے عزیزوں میں سے ایک تھا۔ حالات نے اسے اور مجھے مخالف کیمپوں میں پھینکا۔ جس میں رہ کر ہم دونوں کے تصادم کا امکان زیادہ تھا لیکن ہمارے ذاتی تعلقات اتنے مضبوط ثابت ہوئے کہ ایک لحہ کے لیے بھی ہم ایک دوسرے سے نہ الجھے۔ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ سرمایہ داروں نے تو کئی بار تجھ سے لڑانے کے لیے اکسایا مگر میں نے سعادت مندی کو ہاتھ سے نہ جانے دی۔ لیکن میں ناظرین کو یہ نئی خبر سنانے لگا ہوں کہ آج گورکھا اس دنیا میں نہیں جس میں پیدا ہوکر اس نے اپنے ماں باپ کے رکھے ہوئے نام کو بھی زمین دوز کر دیا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک اخبار نویسی کا تعلق ہے گورکھا وفات پا گیا ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ لیکن اس موت سے اس کی نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اس نے خود اعلان کیا ہے کہ وہ آل انڈیا ریڈیو کے نیوز ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہو گیا ہے۔ ناظرین حیران ہوں گے کہ اس کے سرکاری ملازمت میں چلے جانے کو میں نے اس کی

موت کیوں لکھا؟ لیکن میں نے یہ نہیں لکھا کہ ساگر چند مہاجن مر گیا بلکہ یہ لکھا کہ گورکھا مر گیا ہے اور واقعی گورکھا مر گیا ہے۔ ریڈیو کے نیوز ڈیپارٹمنٹ میں اس کا نام ساگر چند مہاجن ہوگا گورکھا نہیں۔ اسے جو تنخواہ ملے گی وہ گورکھا کو نہیں بلکہ ساگر چند مہاجن کو ملے گی۔ اس لیے میرا یہ لکھنا کہ گورکھا مر گیا ہے نہ غلط ہے نہ تعجب خیز۔ اس نے اپنے الوداعی مضمون میں دہلی جانے کا اعلان خود بھی کر دیا ہے۔

میں اندھیرے میں چھلانگ لگا رہا ہوں
اِس دنیا کو چھوڑ کر جس کو میرا درد تھا
میں اُس دنیا میں جا رہا ہوں جس کے دل میں درد نہیں

لالہ نانک چند ناز نے مرحوم ''گورکھا'' کو جو خراج عقیدت پیش کیا اور جو انداز اختیار کیا اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

گورکھا نے گپ شپ کے مستقل کالم میں جو شگفتہ بیانیاں کیں اس کا اعتراف دوست دشمن سبھی نے کیا۔ مولانا چراغ حسن حسرت جو سند باد جہازی کے قلمی نام سے روزنامہ اخبار احسان میں مطائبات کالم لکھتے تھے اور کسی کا چراغ اپنے سامنے جلنے تک نہ دیتے تھے وہ بھی گورکھا کی ذہنی قابلیت کے قائل تھے۔ گورکھا کے معاصرین میں ابوالعلا چشتی، حاجی لق لق، لالہ نانک چند ناز، نارد مُنی، مولانا عبدالمجید سالک اور آقائے مرتضیٰ میکش کے نام قابل ذکر ہیں۔ گورکھا کے کلک گلبار سے جو رنگا رنگ کے شگوفے پھوٹتے ان کی خوشبو ہر مکتبِ فکر کو معطر اور ماحول کو خوشگوار بنا دیتی تھی۔ اہل نظر ان کی قدر کرتے اور ان کی شگفتہ تحریروں کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔ گورکھا نے روزنامہ پرتاپ لاہور کی اشاعت بابت ۲۸ رمئی ۱۹۳۷ء میں لکھا:

لالہ مولامل مسافر بڑے آدمی ہیں اور بڑے آدمیوں میں ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہیں دوسرے اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ شیکسپیئر بڑا ڈرامہ نویس تھا اس لیے کہ اس کے ڈرامے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ کوئی کچھ مطلب نکالتا اور کوئی کچھ۔ غالب بڑا شاعر تھا اس لیے اس کے شعر سمجھ میں نہیں آتے۔ جو اٹھتا ہے اپنی سمجھ کے مطابق اس کے

دیوان کی شرح لکھ دیتا ہے۔ لالہ مولامل بھی بڑے آدمی ہیں اس لیے انھوں نے انتخاب کے سلسلے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے کوئی ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا ظفر علی خاں کے حامی کہیں گے کہ انھوں نے مولانا کے حق میں ووٹ دینے کو کہا ہے اور میاں عبدالعزیز کے حامی کہیں گے کہ وہ میاں صاحب کے حق میں ہیں۔

(دل کا حال مولا ہی جانتا ہے)

مولانا ظفر علی خاں کا انتخابی گیت کے عنوان سے لالہ مولامل مسافر نے ایک نظم کہی ہے۔ جس کا پہلا شعر ہے:

ممبری! میں تیری یاد میں دیوانہ بن گیا
پہلے بنا تھا ککڑی اب ہندوانہ بن گیا

شاید یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مولامل قدرت کے شاعر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پولیٹکل معاملے پر لکھتے ہوئے بھی آپ قدرت کے دامن کو نہیں چھوڑتے۔ ککڑی نرم ہوتی ہے اور تربوز سخت۔ شاعر کا مطلب ہے کہ مولانا ظفر علی خاں نے ممبر بننے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ ککڑی اور تربوز بننے سے صرف زراعت پیشہ لوگوں کے ووٹ مولانا کو ملیں گے۔ اب دیکھیے کہ دکانداروں کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے وہ کیا کرتے ہیں؟

کدھرے بنیا ریوڑی کدھرے مکھانہ بن گیا
کدھرے بنیا اسبغول تے کدھرے ساگودانہ بن گیا
کدھرے بنیا آلو بخارہ تے کدھرے بی دانہ بن گیا
کدھرے میں پنڈت تے کدھرے ملانہ بن گیا

غرض تمام نظم میں اس قسم کے عجیب و غریب پولیٹکل نکات بیان کیے گئے ہیں۔ دماغ میں اتنی طاقت و روانی کہاں کہ ان نکات کے مفاہیم بیان کرے۔ ناظرین ہمت کریں اور شاعر کے مطلب تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

پرتاپ لاہور کے شمارہ بابت ۱۹ر مارچ ۱۹۳۷ء کے کالم گپ شپ میں ساگر چند گورکھانے پنڈت میلا رام وفا کے بارے میں لکھا ہے:

ہمارے محترم پنڈت میلا رام مدت سے

اے ذوق گر ہوش ہے تو دُنیا سے دور بھاگ
اس میکدہ میں کام نہیں ہوشیار کا

پر عمل کر رہے ہیں۔ عرصہ سے ان کا تازہ کلام اخباروں اور رسالوں میں نہیں دیکھا گیا۔ ایک وقت تھا جب پنڈت جی نے اپنی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔

(۱) حقہ پینا۔ (۲) شعر کہنا

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے:

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

ایک صبح یکایک پڑھا:

پنڈت میلا رام وفا کے لڑکے کی شادی
پنڈت جی نے کیا تحفہ دیا

سرخیاں پڑھتے ہی دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وفا صاحب کا نام بڑی دیر بعد سننے میں آیا تھا اور آیا بھی نیک خبر کے سلسلے میں۔ خیال تھا کہ ضرور پنڈت جی نے اپنے لڑکے کی شادی کے موقع پر تین سو غزلیں، پچاس قصیدے، ڈیڑھ سو رباعیاں اور پانچ سو کے قریب متفرق اشعار تحفہ کے طور پر پیش کیے ہوں گے۔ ایک شاعر یا اس کا لڑکا روپیہ اور دولت کی کیا پروا کر سکتا ہے؟ مضمون پڑھتے ہی سارے قیاسات غلط ثابت ہوئے۔ یہ ایک کتاب کا اشتہار تھا۔ جس میں میاں بیوی کے تعلقات پر بحث کی گئی تھی۔ خدا نے مرد کیوں بنایا اور عورت کیوں بنائی؟ اس کا جواب دیا گیا تھا۔ اس کتاب کی خوبیوں کو کوزہ میں بند کرنے کے لیے یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ پنڈت میلا رام وفا نے اپنے لڑکے کو شادی کے موقع پر کتاب بطور تحفہ پیش کی۔

☆☆☆

دیوان سنگھ مفتوں کے مزاحیہ کالم

سردار صحافت سردار دیوان سنگھ مفتون باغ و بہار طبیعت کے مالک نہایت خوددار اور اصول پرست شخصیت تھے۔ ان کا ہفتہ وار اخبار ''ریاست'' دہلی ملک کے طول و عرض میں نہایت ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ اخبار ریاست کے کچھ مستقل کالم تھے: قلمزاد، راز دروں، پردہ، ناقابل فراموش اور جذباتِ مشرق۔ ہر کالم کی اپنی جداگانہ حیثیت و اہمیت تھی۔ راقم نے مفتون صاحب کی شخصیات کے بارے میں متعدد مضامین قلمبند کیے اب اسی ذیل میں موصوف کی شگفتہ بیانی انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔

۸/ جون ۱۹۴۲ء کے ریاست میں اصغر حسین گورداسپور نے ڈاکوؤں کی اقسام دریافت کیں۔ ایڈیٹر ریاست نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:

۱۔ مذہبی ڈاکو۔ جو مذہب کے نام پر دنیا کو لوٹیں۔

۲۔ اخلاقی ڈاکو۔ جو فحش لٹریچر، فحش اشیاء، فحش تصاویر اور فحش ادویات کی تجارت کریں۔

۳۔ حسین ڈاکو۔ کالجوں کی لڑکیاں جو آنکھوں میں سرمہ، ہونٹوں پر لپ اسٹک اور رخساروں پر سرخی لگا کر خوبصورت بالوں سے مسلح ہو کر۔ سر کا دوپٹہ گلے میں لٹکائے مال روڈ لاہور یا کناٹ پلیس نئی دہلی میں بے تکلف خوش فعلیاں کریں۔

۴۔ سیاسی ڈاکو۔ جو اپنی لیڈری چمکانے کے لیے پبلک جذبات کے ساتھ کھیلیں اور ہائے قوم، ہائے ملک کہہ کر پبلک کی جیب خالی کریں۔

۵۔ علمی ڈاکو۔ جو مضمون نگار دس پندرہ برس پہلے کے دوسرے کے لکھے ہوئے مضامین اپنے نام کے ساتھ اخبار کو چھپنے کے لیے بھیج دیں۔

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کے ''ریاست'' کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ہردوار سے امیر چند سوال کرتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں میاں بیوی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ بیوی نے کہا: ''میں دن رات جیل میں بند رہتی ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جیلوں کی اقسام کیا ہیں؟''

اب ایڈیٹر ریاست دہلی کا جواب پڑھیے:

☆ تعلیم یافتہ عورت کے لیے گھر کی چاردیواری جیل خانہ ہے اگر اس کو تفریح کے لیے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔

☆ فلم ایکٹریسوں کے لیے ایک شادی پر صبر کرنا بھی جیل کی زندگی کے برابر ہے۔

☆ ایک داروغہ جیل کے لیے جیل خانہ بہشت ہے جہاں وہ قیدیوں پر حکومت کرتا ہے اور اس کا گھر جیل خانہ جہاں اس کی بیوی حکمراں ہے۔

☆ جب تک ہندوستان آزاد نہ ہوا تھا ہندوستانیوں کے لیے یہ ملک بڑا جیل خانہ تھا۔

۶ جنوری ۱۹۴۷ء میں چھپے ''راز درون پردہ'' کا اقتباس ملاحظہ ہو:

لفظ ''بیٹا'' کا استعمال کہاں جائز و مناسب ہے۔ (رام سنگھ جھنگ)

۱۔ جب ماں محبت کے ساتھ صبح ہی صبح اپنے صاحبزادے سے کہے۔ ''بیٹا فاروق، جاگو، تمھیں اسکول کو دیر ہو رہی ہے۔''

۲۔ جب جانور کا مالک جانور کو پچکارتے ہوئے کہے۔ مثلاً تانگے والا عبداللہ اپنے گھوڑے کو ''چل میرے بیٹے قطب فٹافٹ۔''

۳۔ جب ایک غنڈہ دوسرے غنڈہ کو دھمکی دے۔ مثلاً اگر رحمت سے کہے۔ ''اگر تم نے میری مخبری کی تو بیٹا میں بھی تمھیں قبر میں سلا دوں گا۔''

۴۔ جب پولیس کا سب انسپکٹر مقدمہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں چور سے کہے۔ ''اگر چوری کے مالک پتا بتا دے تو بہتر۔ ورنہ بیٹا ابھی تمھیں مرغا بناتا ہوں۔''

۵۔ جب پیر جی اپنے مرید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیں۔ ''جا بیٹا۔ خدا تمھیں

جیتا جاگتا بیٹا دے گا۔ اس تعویذ کا نذرانہ صرف سوا روپیہ ہے۔‘‘

(ایڈیٹر ریاست)

’’آگ اور پانی‘‘ کا اتصال کیونکر ممکن ہے؟ (رام سنگھ راولپنڈی)

ان دو صورتوں میں:

۱۔ جب کوئی حسینہ مہندی والے رنگین ہاتھ پانی کے اندر رکھے۔

۲۔ اکالی اور کانگریسی سکھ پنتھک بورڈ بنالیں۔

۳۔ جب ضلع لائل پور کی ہندوستانی عیسائی مس بھاگن سیاہ رنگ والے چہرہ پر سفید پوڈر کا ایک کوٹ کرلے۔

۴۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس کی انترم گورنمنٹ قائم ہوجائے۔

۵۔ جب کلکتہ میں چھرے گھونپے جارہے ہوں اور اتحاد پسند لیڈر ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے بلند کررہے ہوں۔

۶۔ جب جوانی ختم ہورہی ہو اور بڑھاپا آرہا ہو۔

(ایڈیٹر ریاست)

’’عذر گناہ بدتر از گناہ‘‘ کا استعمال کہاں جائز و مناسب ہے۔ (اسد علیل کاں۔ کوئٹہ)

ان جگہوں پر:

۱۔ جب حکیم صاحب کا علاج ہورہا ہو اور علاج سے کوئی افاقہ نہ ہو تو مریض حکیم صاحب سے کہے۔ ’’حکیم صاحب۔ دوائی بہت کڑوی ہے۔ میں کھا نہ سکا۔ مجھے تکلیف زیادہ ہے۔ کوئی اور دوا دیجیے جس کا ذائقہ خراب نہ ہو۔

۲۔ عشق بازی میں دیوالہ نکل چکا ہو۔ پیسہ پاس نہ ہو۔ محبوبہ کو خوش کرنے کے لیے لالہ بنواری لال اگروال سے قرض لے کر ساڑھیاں بنوادی جائیں۔

۳۔ شادی کی دعوت میں کھانا لذیذ ہو۔ پیٹ بھر کر کھالیا ہو۔ واپس آنے پر بیوی تلے ہوئے انڈے کھانے کے لیے کہے۔ تو میاں یہ کہہ کر نوالہ اٹھالیں۔ ’’کھانا میں

پیٹ بھر کر کھا آیا۔ گنجائش نہیں۔ مگر خیر۔ ایک دو انڈے کھا ہی لیتا ہوں۔"

۴۔ پنجاب اسمبلی کا کوئی ممبر یونینسٹ پارٹی کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو جائے اور مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد جب ملک خضر میاں خان زور دیں تو یہ کہہ کر یونینسٹ پارٹی میں پھر شامل ہو جائے۔ "میں چند دوستوں کے مجبور کرنے پر یونینسٹ پارٹی سے علیحدہ ہوا تھا۔ ورنہ میں نے ہمیشہ یونینسٹ پارٹی کا ساتھ دیا اور ساتھ دوں گا۔"

(ایڈیٹر ریاست)

۲۰ رجنوری ۱۹۴۷ء میں چھپے "راز درونِ پردہ" کا اقتباس ہے۔

عیاشی اور محبت میں کیا فرق ہے۔ (اندر کمار آگرہ)

۱۔ عیاش شخص کا تعلق چند روز یا چند ماہ تک رہتا ہے۔ مگر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے مرنے کے بعد بھی اسے نہیں بھولتا۔

۲۔ عیاش شخص اپنی آنکھوں میں سرمہ لگا کر انھیں خشک رکھتا ہے مگر محبت کرنے والا اپنی آنکھیں آنسوؤں سے تر رکھتا ہے۔

۳۔ عیاش شخص سیر و تفریح چاہتا ہے۔ محبت کرنے والا تنہائی کے کسی گوشہ کی تلاش کرتا ہے۔

۴۔ عیاش شخص کو قہقہے پسند ہیں۔ محبت کرنے والا آہیں بھر کر سکون حاصل کرتا ہے۔

۵۔ عیاش شخص نئے نئے لباس پہنتا ہے۔ محبت کرنے والا اپنا گریبان چاک کرتا ہے۔

(ایڈیٹر ریاست)

غلط کاریاں کتنی قسم کی ہوتی ہیں۔ (عبدالرحمٰن مردان)

ذیل کی اقسام ہیں:

۱۔ بچپن کی غلط کاریاں۔ جن کے علاج کے لیے ادویات کے اشتہارات اخبارت میں چھپتے ہیں۔

۲۔ سیاسی غلط کاریاں۔ یعنی آج کانگریس کے ساتھ، کل مسلم لیگ میں اور پرسوں

یونینسٹ پارٹی کی بغل میں۔

۳۔ اخباری غلط کاریاں۔ جس کی ذمہ داری کاتبوں کے سر لگا دی جاتی ہے۔

۱۰ ر فروری ۱۹۴۷ء کے ''راز درونِ پردہ'' میں پٹنہ سے امرناتھ لکھتے ہیں۔

ریاست سانگل میں ایک کروڑ پتی کو سونے سے تولا گیا۔ یہ سونا اب غریبوں میں بطور خیرات تقسیم کیا جائے گا۔ امیر لوگ تو سونے چاندی اور ہیروں میں تولے جاتے ہیں۔ غریب آدمی کو جس کے پاس سونا ہے نہ چاندی۔ کس شے سے تولا جانا چاہیے؟

تولنے کے لیے مختلف اشیاء ہونی چاہئیں اور اشیاء خیرات میں دے دی جائیں مثلاً

۱۔ جب کسی کانگریسی کی پچاس سالہ جوبلی ہو تو اسے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کے ساتھ تولا جانا چاہیے۔

۲۔ ایڈیٹروں کو ریویو میں آئی ہوئی کتابوں اور تبادلہ میں آئے ہوئے رسائل سے تولا جانا چاہیے۔

۳۔ شعراء کی جوبلی کے موقعہ پر ان کا اگر امرتسر ڈسٹلری کا مالٹا برانڈ ٹھرا کے ساتھ تولا جائے تو مناسب ہوگا۔

۴۔ فلم ایکٹریسوں کو پوڈر، سینٹ، لپ اسٹک اور ساڑھیوں کے ساتھ تولا جانا چاہیے۔ (ایڈیٹر)

سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ہفتہ وار ریاست دہلی نے اردو صحافت کا وقار بلند کرنے میں جو نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ موصوف کی حیات میں ہی ناقابل فراموش اور جذبات مشرق چھپ کر شہرت دوام حاصل کر چکی تھیں۔ ان کی موت کے بعد پاکستان کے مشہور ناشر میاں نواز احمد مالک شعر و ادب سمن زار لاہور پاکستان نے ایک کتاب شائع کی تھی ''سیف و قلم''۔ یہ ضخیم کتاب نہایت خوبصورتی سے منصۂ شہود پر آئی ہے۔ لیکن ذیل میں اخبار ریاست دہلی کے دو اقتباسات دیے جاتے ہیں جو آج تک کسی بھی کتاب میں شریک نہیں ہو سکے۔ مذکورہ شمارے محفوظ ہیں۔

سردار صحافت سردار دیوان سنگھ مفتون کے ہفت روزہ ریاست دہلی کے شمارہ بابت

۲۹ر دسمبر ۱۹۴۷ء میں مطبوعہ کالم ''راز درون پردہ'' کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

جھانسی سے رام چند لکھتے ہیں۔ میں نے میٹرک پاس کر لیا ہے۔ مجھے کون سی ملازمت یا تجارت کرنی چاہیے۔

ایڈیٹر ریاست جواب میں لکھتے ہیں۔ یہ ملازمتیں اور تجارتیں زیادہ اچھی ہیں:

۱۔ پوسٹ مین۔ جس گھر میں چاہو خط دینے کے بہانے بے تکلف چلے جاؤ۔

۲۔ بجلی کا میٹر مستری۔ میٹر دیکھنے کے بہانے جس مکان کا چاہو دروازہ کھٹکھٹالو۔

۳۔ پولیس کانسٹیبل۔ ناجائز اسلحہ یا ملزم کی تلاش میں جس مکان میں چاہو گھس جاؤ۔

۴۔ بکنگ کلرک۔ جہاں عورتوں کو ٹکٹ لینے کے لیے آنا ہی پڑتا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر۔ جسم کے کسی بھی حصے کو ٹٹول لو۔

۶۔ چوڑیوں کی دکان۔ جس عورت کے چاہو ہاتھ مسل دو۔

۷۔ درزی کی دکان۔ جہاں عورتیں مجبور ہیں کہ وہ اپنے جسم کے کپڑے کو زیادہ تنگ یا کھلا رکھنے کے متعلق صحیح پوزیشن بتا سکیں۔

۸۔ راشن کی دکان۔ جہاں محلہ کی بیوہ عورتوں کو آنا ہی پڑتا ہے۔

۹۔ کناٹ پلیس میں باربر کی دکان۔ بڑی سے بڑی پوزیشن کی عورتوں کے بالوں اور چہرہ کو بلا جھجک چھو لو ہاتھ پھیر لو۔

۱۰۔ جیوتش کی دکان۔ ہر عورت سے اس کی محبت کے راز اور کمزوریوں کا اقرار کرالو۔

عبدالرشید الہ آباد سے پوچھتے ہیں۔

کوآپریٹو یعنی امداد باہمی کا استعمال کن جگہوں پر مناسب ہے۔

ایڈیٹر ریاست جواب دیتے ہیں۔

۱۔ اگر لاہور کا کوئی ہندو دہلی کے کسی مسلمان کے ساتھ اپنی جائیداد کا تبادلہ کرے تو اسے پاکستان اور ہندوستان کی امداد باہمی کہا جائے گا۔

۲۔ اگر رفیق محمد کی بہن کی شادی عبدالرشید کے ساتھ اور عبدالرشید کی بہن کی شادی رفیق کے ساتھ ہو جائے تو یہ شخصی امداد باہمی کہی جاتی ہے۔

۳۔ مسٹر جیمس گر جا میں مسٹر فلپ کے لیے اور مسٹر فلپ گر جا میں مسٹر جیمس کے لیے گھٹنوں کے بل ہو کر دعا کریں تو یہ روحانی امداد باہمی ہو گی۔

۴۔ رائے بہادر پنالال اپنی انشورنس کمپنی کا لالہ مدن لال کو ڈائریکٹر بنالیں تو یہ تجارتی امداد باہمی ہوگی۔

۵۔ اپنے اخبار کو دلچسپ بنانے کے لیے اگر ایڈیٹر صاحب اخبار ملت ہندوؤں پر اور اخبار دھرم ویر مسلمانوں پر گندگی اچھالیں اور ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی جواب دیں تو یہ بحث صحافتی امداد باہمی ہوا کرتی ہے۔

دلدار حسین لاہور سے لکھتے ہیں:

''چھینک کیوں آتی ہے یعنی کیا فی الحقیقت کوئی یاد کرے تو چھینک آتی ہے اور کس کس کو یاد کرنے پر چھینک آیا کرتی ہے۔''

اب ایڈیٹر ریاست کا شگفتہ جواب پڑھیے۔

''میری رائے میں ان لوگوں کے یاد کرنے پر چھینکیں آیا کرتی ہیں:

۱۔ دیوانی عدالتوں کے پیادے انکم ٹیکس آفیسرز اخبارات کو تنبیہ کرنے والا گورنمنٹ پریس ایڈوائزر اور جے اینڈ سنگھ کمپنی سوداگران کاغذ۔

رام کمار لدھیانہ سے پوچھتے ہیں کہ شراب پینے کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے آج تک کبھی شراب نہیں پی۔ اس لیے پوچھتا ہوں۔

ایڈیٹر ریاست کا جواب ہے:

شراب کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ امیر لوگ شراب پی کر قہقہے لگاتے ہیں اور ہنستے ہیں۔

۲۔ گرفتاران محبت شراب پی کر روتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں۔

۳۔ شعرا شراب پی کر اچھا شعر کہتے ہیں۔

۴۔ پوربیے شراب پی کر گاتے ہیں۔

۔ سکھ شراب پی کر لاٹھی یا کرپان چلاتے ہیں۔

۶۔ لیڈر شراب پی کر دعوتوں میں تقریریں کرتے ہیں۔

عبدالقادر ممبئی سے دریافت کرتے ہیں:

''جان یعنی روح کی کتنی اقسام ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ میری جان نکل گئی۔ یہ کہنے کے بعد بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جان کی کئی اقسام ہیں۔''

اب سردار دیوان سنگھ مفتوں کی بذلہ سنجی دیکھیے۔

ہاں فی الحقیقت جان کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ہر شوہر کی بیوی جان ہے۔ کیونکہ وہ تنہائی میں بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ میری جان۔

۲۔ ایک جان کی قسم طوائفوں میں ملتی ہے۔ موتی جان، اصغری جان، ملکہ جان۔

۳۔ ایک جان کی مردانہ قسم سرحدیوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً اسد جان، عبداللہ جان، سردار اصغر جان۔

۴۔ ممالک میں بھی کہیں کہیں جان پائے جاتے ہیں۔ مثلاً آذربائیجان۔

۵۔ ڈھیٹ قسم کی جان ہسپتالوں میں کثرت سے ملتی ہے اور آپریشن کراتے وقت مریض کہتا ہے۔ ''ہائے میری جان گئی۔'' مگر یہ ڈھیٹ پھر بھی نہیں نکلتی۔

☆☆☆

اردو اخبار نویسی کے "بابا جی"

مولانا وقار انبالوی

اخباری برادری کے بابا جی یعنی مولانا وقار انبالوی ۱۸۹۶ء میں چنار تھل انبالہ (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی جہاں ان کے دادا جیلر کے عہدہ پر مامور تھے اور جب ان کا تبادلہ ڈیرہ اسماعیل خاں میں ہوا تو وہاں مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ اسی اسکول میں منشی تلوک چند محروم بطور ٹیچر تعینات تھے۔ یہیں بابا جی کو اخبار بینی کا شوق پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اردو شعر وادب سے شیفتگی بھی۔

۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ان دنوں انبالہ میں یہ فوجی گیت گایا جاتا تھا:

بھرتی ہو جاوے ترے بار کھڑے رنگروٹ
یہاں میسر ٹوٹے چھتر وہاں ملیں گے بوٹ
یہاں پرانے چیتھڑے وہاں ملیں گے سوٹ
بھرتی ہو جانا تیرے بار کھڑے رنگروٹ

بابا جی ۱۹۱۵ء کے اواخر میں بطور نان کمیشنڈ آفیسر بھرتی ہو گئے کیوں کہ قواعد کے مطابق انھوں نے دس رنگروٹ بھرتی کرائے تھے۔ پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس تنخواہ میں وہ نہایت صبر وسکون سے گذارہ کرتے۔ ان دنوں جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کا چرچا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کا اخبار زمیندار پنجاب رجمنٹ میں بڑے شوق کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ بس یہیں سے ان کے دل میں اخبار نویس بننے کا شوق جاگزیں ہوا۔ فوج کی ملازمت ترک کرنے کے بعد لاہور کو وطن ثانی بنا لیا۔ پھر ایک روز جرأت کر کے دفتر زمیندار میں

پہنچے۔ جہاں مولانا ظفر علی خاں کے حلقہ ادارت میں سید جالب، بیدل شاہ جہاں پوری، وجاہت حسین فیض جھنجھانوی جیسے اہل قلم شامل تھے۔ دفتر میں انھیں پروف پڑھنے کی ذمہ داری سونپی گئی اور تنخواہ صرف ۱۲ روپے ماہوار۔ یہیں شعر گوئی کا شوق چرایا۔ ایک غزل لکھ کر چھپنے کے لیے دی جس کا مطلع تھا:

چیخ اب یہاں سے ذرا اے فرنگی
اٹھا بوریا بسترا اے فرنگی

مولانا ظفر علی خاں نے غزل کی تعریف کی اور مطلب میں ترمیم کی ''اٹھا بوریا بسترا اے فرنگی''۔ پھر کہا کہ بوریا بسترا کہنا سراسر غلط ہے۔ راجہ مہدی علی خاں مولانا کے بھانجے تھے۔ حلقہ ادارت میں شامل تھے۔ ایک بار انھوں نے کسی کے فوت ہو جانے کی خبر میں فلاں شخص کی ''فوتیدگی'' لکھ دیا اس لفظ پر مولانا اس قدر آتش پا ہوئے کہ انھوں نے راجہ مہدی علی خاں کو دفتر سے نکال دیا۔ مارچ ۱۹۱۹ میں مہاشہ کرشن ایڈیٹر پرکاش لاہور نے روزانہ اخبار پرتاپ کا اجرا کیا تو ہنگامی نظمیں لکھنے کے لیے بابا جی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ''پرتاپ'' میں انھیں تیس روپے ملا کرتے تھے۔ یہیں انھوں نے مہاشہ کرشن کے بڑے صاحبزادے جناب ویرندر کو اردو زبان کی تعلیم سے روشناس کرایا۔ گویا مولانا وقار انبالوی جناب ویرندر جی کے اردو کے استاد تھے۔ مولانا تاجور نجیب آبادی کے ساتھ بابا جی کی گاڑھی چھنتی تھی اس لیے انھوں نے اپنے ہفت روزہ اخبار ''پریم'' میں پروف ریڈر کے طور پر ملازم رکھ لیا۔ لسان الاعجاز پنڈت میلا رام وفا بھی اخبار پریم سے وابستہ تھے۔ یہ اخبار گوال منڈی سے شائع ہوتا تھا اور پنڈت میلا رام وفا کے صاحبزادے سورج پرکاش نقاد بھی ''پریم'' میں لکھا کرتے تھے۔

بابا جی نے جب روزانہ ''احسان'' لاہور کی ادارت سنبھالی تو پیشانی پر ان کا نام باقاعدگی سے چھپنے لگا۔ منشی تلوک چند محروم کو جب پتہ چلا کہ مولانا وقار انبالوی ''پرتاپ'' سے قطع تعلق کر کے احسان میں آ گئے ہیں بلکہ مدار المہام بن گئے ہیں تو انھوں نے ایک قطعہ لکھا:

جس دن ادھر سے تو اُدھر آیا ہے
چشم بینا کو کم نظر آیا ہے
''احسان'' کبھی تھا مستحق احساں لیکن
''پرتاپ'' کو بے ''وقار'' کر آیا ہے

دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو باباجی نے ''جنگ'' کے عنوان سے ایک معرکہ خیز نظم کہی:

فریب امن نہ دے اے خرد کی مکاری
طلسم امن کو توڑ اے جنوں کی خود داری
لڑے نگاہ تو تدبیر بزم ہوتی ہے
لڑے سپاہ تو تکمیل عزم ہوتی ہے

بعدازاں سپاہی کا خواب، سپاہی کی رخصت، دلہن، کشتری اور ہمالہ وغیرہ نظمیں لکھیں جن کی وجہ سے ان کی شہرت کو چار چاند لگے۔ موٴخرالذکر نظم کے چند اشعار تھے:

بیاں کر اے ہمالہ! مجھ سے رامائن کا افسانہ
وہ دنیا وہ فضا وہ آدمی وہ شان مردانہ
بیاں کر باپ کی خاطر بھلے بیٹے کی قربانی
وہ سیتا جی کا شوہر کے لیے ایثار نسوانی
بڑے بھائی کی خاطر چھوٹے بھائی کی جواں مردی
وہ لچھمن جس نے اخلاص و وفاداری کی حد کر دی
بیاں کر چندر ونشی داستانیں یاد ہیں تجھ کو
وہ اگنی بان ترکش وہ کمانیں یاد ہیں تجھ کو

مولانا وقار گوسوامی گنیش دت کے روزنامہ ویر بھارت لاہور میں بھی جز وقتی طور پر کام کرتے تھے۔ ان کا کام بس اتنا ہوتا کہ دفتر آتے چپراسی سے سگریٹ منگواتے دو چار اشعار لکھتے پھر چلے جاتے۔ سیڑھیوں میں ہی چپراسی انھیں سگریٹ کی ڈبیا تھما دیتا۔

جن دنوں مسجد شہید گنج کا ہنگامہ شدت اختیار کر گیا تو لاہور شہر میں کرفیو نافذ ہو گیا۔ مولانا نے فون پر دفتر کو اطلاع دی کہ ''کرفیو لگ گیا ہے کیسے آؤں''

دفتر سے جواب ملا ''تو چھٹی کر لو'' مولانا نے فون پر ہی شعر نوٹ کرایا:

آج دفتر سے ہو گئی چھٹی

ہندو مسلم فساد زندہ باد

اس مختصر مضمون میں اشعار سے ہی کام لینا ممکن ہے۔ ورنہ زیب داستاں کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔

مولانا وقار انبالوی دوسری جنگ عظیم میں بطور مشاہد محاذ جنگ پر بھی گئے تھے۔ وہیں کسی شاعر نے انھیں سنسکرت میں ایک نظم سنائی جو جنگ کے بارے میں تھی۔ مولانا وقار نے وہیں بیٹھے بیٹھے مذکورہ نظم کا اردو ترجمہ سنا دیا۔ پرتاپ جالندھر کے جنرل منیجر شری کندن لال شرما راوی ہیں کہ کچھ برس پہلے جب وہ لاہور میں مولانا سے ملاقاتی ہوئے تو انھوں نے مہابھارت کے کئی سنسکرت میں لکھے شلوک پڑھے پھر ان کر کا ترجمہ سُنا کر محظوظ کیا۔ مولانا وقار انبالوی کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ علی الخصوص اردو میں۔

جب شری کندن لال شرما نے انھیں بھارت کی زیارت کی دعوت دی تو مولانا نے سرد آہ بھر کر کہا شرما جی! ویر جی کو میرا اسلام کہنا اب میرا وہاں جانا مشکل ہے انبالہ میں میرے بزرگوں کی قبر کی ایک اینٹ بھی سلامت نہ بچی ہوگی۔

آخری زمانے میں ''بابا جی'' نوائے وقت لاہور میں ملازمت کرتے تھے اور سبھی انھیں تعظیم کے ساتھ بابا جی کہہ کر مخاطب ہوتے اور وہ بھی بکمال شفقت پیش آتے، یہی ان کی طبیعت کا خاصہ تھا جس کی بدولت وہ مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔

☆☆☆

شوکت تھانوی نے بڑے بڑوں کا لوہا لیا

شوکت تھانوی نے ۱۹۲۸ء میں ہفتہ وار تحریک لاہور میں ''لالہ زار'' کے عنوان سے ایک مزاحیہ کالم لکھنا شروع کیا جس میں وہ لیڈروں کی کمزوریوں کے خاکے اپنے باغ و بہار رنگ میں اڑاتے تھے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر میدان سیاست میں علی برادران کے نام سے اپنی شناخت رکھتے تھے ایک کالم میں شوکت تھانوی نے ان کی بابت لکھا ہے:

''مولانا شوکت علی اپنے چھوٹے بھائی محمد علی کا شاہکار ہیں۔'' عام و خاص میں یہ فقرہ بہت مشہور و مقبول ہوا اور اب تک بطور یادگار ادبی محفلوں میں پڑھا جاتا رہا ہے۔

شوکت نے جب جالب دہلوی کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں ملازمت اختیار کی تو وہ چودھری رحم علی الہاشمی سے اپنے مضامین کی اصلاح لینے لگے۔ ایک بار کسی فقرہ میں تھانوی نے لفظ ''نقطہ نگاہ'' لکھا تو چودھری صاحب نے اسے کاٹ کر ''زاویہ نگاہ'' بنا دیا۔ تھانوی نے پوچھا۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

چودھری صاحب نے جواب دیا۔ ''بہت بڑا فرق ہے دونوں میں۔ جب یقینی امر ہو تو نقطہ نگاہ صحیح ہے لیکن ذرا شبہ ہو تو ''زاویہ نگاہ'' درست ہے۔ وہ فقرہ تھا کہ سائمن کمیشن کے متعلق ہمارا ''نقطہ نگاہ'' یہ ہے کہ حکومت نے اپنے تدبر کے فقدان کا ایک اور ثبوت دیا ہے۔''

اگر اس فقرے میں ''زاویہ نگاہ'' لکھیں تو اس سے نتیجے کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ شوکت صاحب روزانہ ہمدم لکھنؤ میں مزاحیہ کالم ''دو باتیں'' لکھتے تھے۔ اب ذیل میں ایک کالم کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''قرطاس ابیض (وہائٹ پیپر) کے متعلق ہم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ آپ کوئی نہایت

عالم فاضل باشرع بزرگ ہوں گے۔ بڑی داڑھی ہوگی۔ لمبی تسبیح ہوگی۔ عمامہ باندھے عبا وغیرہ پہنے ہوئے۔ بالکل رمضان شریف کی طرح اونٹ پر سوار تشریف لائیں گے لیکن جب صبح کو یہ شور بلند ہوا کہ قرطاس ابیض کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبوراً لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آپ اخبار ''پانیر'' میں تشریف رکھتے ہیں۔ اب اخبار دیکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا''

اسی اخبار میں شوکت تھانوی ''باتونی'' کے قلمی نام سے مزاحیہ لکھتے۔ ایک بار علامہ سیماب اکبر آبادی پر چوٹ کی تو علامہ موصوف نے اپنے رسالہ ''تاج'' آگرہ میں اس کا اس طرح جواب دیا:

ادب باقی ہے اور نہ استعداد باقی ہے
فقط طاغوتیوں کی فکر مادر زاد باقی ہے
کوئی ''ہمدم'' کے ''باتونی'' سے جاکر صرف یہ کہہ دے
کہ شیطاں مر گیا اس کی مگر اولاد باقی ہے

یہ جھگڑا بڑھا تو بزرگ اخبار نویسوں نے دونوں میں صلح صفائی کرادی۔ تھانوی نے سیماب کی تازہ غزل پر سخت تنقید کی تھی اور مقطع کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے لکھ دیا کہ ''اب جب کہ مولانا سیماب نے خود ہی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے اب ہم کو مولانا کے متعلق کچھ نہیں کہنا ہے۔'' سیماب کی غزل کا مقطع تھا:

سیماب حقیقت میں فطرت کا تمسخر ہے

چند برسوں کے بعد شوکت نے ہفتہ وار ''سرپنچ'' کی ادارت سنبھالی۔ سرپنچ لکھنؤ مزاحیہ اخبار تھا۔ اس کے طلوع ہونے سے ''اودھ پنچ'' کی دھاک کم ہونے لگی۔ کیوں کہ شوکت نے سرپنچ میں طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ سنسنی خیز خبریں معاصرین کے معرکے اور دلچسپ بحثیں بھی شروع کردی تھیں۔

ایک بار اخبار ہذا میں (۱۹۳۱ء میں) خبر چھپی ''ایڈیٹر سرپنچ لکھنوی کی ڈاک میں دھمکی آمیز خطوط موصول ہورہے ہیں۔'' کبھی ان مفروضہ خطوط کی نقول شائع کی جاتیں جن

کے پڑھنے والوں کے کان کھڑے ہو جاتے۔ کبھی معلوم ہوتا کہ دھمکی دینے والے نے دفتر سرپنچ کی فائلوں کو آگ لگانے کی ناکام کوشش کی۔ شوکت نے ایک شعر لکھا۔

سرپنچ کو جلانے کی کوشش میں تھک نہ جاؤ
چنگاریوں سے اس کو جلایا نہ جائے گا

شوکت تھانوی نے سرپنچ میں ستمبر ۱۳ء سے ۴۵ء تک ملازمت کی اور اسے اپنی شوخی تحریر سے ایک باوقار مزاحیہ اخبار بنا دیا تھا۔ اخبا کے ایڈیٹوریل میں ہنگامہ خیزی کو بڑا دخل تھا۔ لکھنؤ میں ڈاکوؤں کا زور تھا اور حامد ڈاکو کا چرچا تھا۔ سرپنچ میں حامد ڈاکو کی پولیس محاصرے سے فراری کی خبر چھپی۔ شوکت نے سخت ایڈیٹوریل لکھا جس کی پیشانی پر یہ شعر چسپاں کیا گیا:

نامکمل ہے ابھی وردی پولیس کی اے حضور
چوڑیوں کا بھی اضافہ اس میں ہونا چاہیے

انھوں نے پولیس کی نااہلی پر طنز کرتے ہوئے یہ بھی لکھا:

حامد کا ہر ایک جانب ہوّا نظر آتا ہے
معصوم پولیس کو اب کیا کیا نظر آتا ہے

اخبار ہٰذا میں چٹکیاں کے کالم کے تحت کسی اخبار کی سرخی کے ساتھ شوکت تھانوی کا طنزیہ فقرہ منسوب کیا جاتا تھا مثلاً ایک بار لکھا گیا۔

ایک خبر کا عنوان ہے "چوری کا مال برآمد کیا"

پولیس کا یہ کارنامہ زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ایک خبر ہے "کپتان کی پیشانی پر گولی لگی۔"

"خیریت ہوئی آنکھ بچ گئی۔"

اسی مشہور اخبار کے کچھ لطائف ہیں جو آج بھی بڑے شوق کے ساتھ سننے سنانے میں آتے ہیں۔

ایک عورت کا جب ساتواں شوہر مرنے لگا تو اس نے روتے ہوئے پوچھا۔ تم مجھے کس پر چھوڑے جاتے ہو؟"

جواب ملا۔ "آٹھویں شوہر پر۔"

☆☆☆

حاجی لق لق کی

شگفتہ تحریریں اور مضمرات

نومبر ۱۹۳۸ء کے سدا بہار کا کالم ملاحظہ ہو۔ اخبار مسٹر گزٹ ہیرامنڈی لاہور کے ایڈیٹر میاں علی بخش صاحب جنہیں قدیمی یتیم خانہ کی طرح خدمت خلق کرتے ہوئے پچاس سال سے زائد گزر گئے ہیں کہا کرتے ہیں کہ ایڈیٹری پیشہ نہیں بلکہ نشہ ہے کیونکہ میں نے ہیرامنڈی کی کئی رنڈیوں کو اپنے پیشے سے توبہ کرتے دیکھا ہے لیکن ایڈیٹر کا ایڈیٹری سے تائب ہونا شاذ و نادر ہی نظر سے گزرا ہے۔ میاں علی بخش کا کہنا بالکل بجا ہے، ہم نے بڑے بڑے ڈاکوؤں، چوروں، قمار بازوں اور اٹھائی گیروں کو اپنے اپنے پیشہ سے تائب ہوتے دیکھا سنا ہے لیکن ایڈیٹری ایسی بلا ہے کہ

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

جس طرح چور چوری چھوڑ سکتا ہے لیکن ہیرا پھیری نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایڈیٹر اگر روزانہ اخبار کی ایڈیٹری چھوڑ دے گا تو کسی ہفتہ وار اخبار سے رشتہ گانٹھ لے گا۔ یہ نہیں تو کسی ماہوار رسالہ ہی کو اپنا تختہ مشق بنائے گا۔ یہ بھی نہ سہی اجرت پر ہی کسی اخبار رسالے کو گاہے گاہے مضمون دے کر جی ہلکا کرنے لگے گا۔ ہم نے ایک ایڈیٹر صاحب کو دیکھا ہے کہ وہ سال میں صرف ایک دفعہ ایک صفحہ شائع کر کے اور اس پر مدیر مسئول لکھ کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔

ہمیں بھی بدبختی سے ایڈیٹری کا مرض لاحق ہے اور ہمیں سے مراد چار اشخاص ہیں۔ آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکش، مولانا چراغ حسن حسرت، کامریڈ محمد اشرف خاں عطا اور یہ خاکسار۔ ہم ۱۹۳۴ء میں زمیندار سے نکلے سو چند ہی روز میں بیکاری یا یوں کہیے کہ بے ایڈیٹری کی زندگی سے عاجز آ گئے۔ سرمایہ موجود نہ تھا کہ کوئی اپنا اخبار نکال لیتے اس لیے مجبوراً ان دانت نکالنے والوں کی طرح جو گلی کوچوں میں دانت کھینچ کر دانت نکالا کرتے ہیں۔ اخبار نکلوالو کی آواز بلند کرتے ہوئے کشمیری بازار میں جا نکلے۔ ہماری خوش قسمتی سے ملک نور الٰہی پبلشر کے دانت میں تکلیف تھی۔ یعنی وہ اخبار نکلوانا چاہتے تھے۔ انھوں نے ہماری خدمات حاصل کر لیں۔ اور ہم نے کھینچ گھسیٹ کر اخبار ''احسان'' نکال دیا۔ چار سال تک ہمارا اور ملک نور الٰہی کا باہمی تعلق خوب نبھا۔

لیکن اس کے بعد وہی جو ہر تین سال کے بعد ہمارے ساتھ ہوا کرتا ہے یعنی ہمیں اخبار احسان کو چھوڑنا پڑا۔

مذکورہ بالا اقتباس نامکمل ہے لیکن محولہ بالا بین السطور میں حاجی لق لق نے حق و صداقت کے ساتھ اپنی سرگزشت کا ذکر شگفتہ مزاجی سے کر دیا۔ اس میں لطیف طنز بھی ہے جو مزاج کی شیرینی میں گھل کر بے مزہ نہیں ہوا۔ لاہور سے شائع ہونے والے دو ادبی رسائل نے اپنی اشاعت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کی تو حاجی لق لق نے ۱۸ رجنوری ۱۹۳۹ء کے زمیندار لاہور میں لکھا۔ لاہور کے دو ادبی رسائل میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ دونوں میں زیادہ کون چھپتا ہے۔

ابتدا یوں ہوئی کہ ایک رسالہ کے مالک نے اپنے سائن بورڈ پر یہ الفاظ لکھا لیے کہ اس کا رسالہ ہندوستان بھر کے رسائل سے زیادہ طبع ہوتا ہے۔ اس پر دوسرے رسالہ والے نے اپنی کثیر الاشاعتی کا دعویٰ کیا اور آخر تو تو میں میں ہونے کے بعد دونوں اصحاب اس بات کے قائل ہو گئے کہ دونوں رسالے ایک دوسرے سے زیادہ چھپتے ہیں۔ اس جملے میں جو طنز ہے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ابو العلا اخبار زمیندار ہی میں پھر گلفشانی کرتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست کہتے

ہیں کہ کسی رسالہ کا زیادہ چھپنا فکر کا باعث نہیں ہوسکتا۔ آپ خواہ اپنا رسالہ بیس ہزار کی تعداد میں چھپوا لیجیے۔ پریس والے انکار نہیں کر سکتے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ رسالہ فروخت کس قدر ہوتا ہے؟

ہمارے دوست کی بات معقول معلوم ہوتی ہے لیکن ہم فروخت کے بھی قائل نہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جنگ عظیم کے ایام میں جب حکومت پنجاب نے پنجاب پبلسٹی کمیٹی کے زیر اہتمام ایک اخبار حق جاری کیا تھا تو اس کی فروخت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ہمارے سامنے ایک ردی فروش لالہ جی اخبار کے دفتر میں آئے اور مہتمم صاحب سے کہنے لگے جناب چار من ''حق'' چاہیے۔

خاں صاحب شیخ عبدالعزیز اس ردی فروش کی بات سن کر حیران سے ہو گئے اور بولے لالہ جی۔ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ لالہ جی نے کہا جناب ہم دکان داروں کو دھیلے دھیلے کی بچت کا خیال ہوتا ہے۔ اخبار حق ''ردی'' کے حق میں بہت اچھا ہے۔ کیونکہ اس کا کاغذ مضبوط ہے۔ یوں تو ہمیں دکان پر بیٹھے بٹھائے اس کے گٹھے مل جاتے ہیں۔ لیکن میں نے سوچا کہ پرچون خریدنے کی بجائے تھوک کیوں نہ خریدا جائے اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ تو اخبار کا دفتر ٹھہرا یہاں ہر صورت بازار کی نسبت کچھ رعایت ہوگی۔ اگر آپ زیادہ رعایت دے دیں تو میں دس بیس من خریدنے کے لیے تیار ہوں۔

حاجی صاحب نے اپنے مذکورہ بالا فکاہیہ میں جو لطف پیدا کر کے قارئین کو متبسم ہونے پر مجبور کیا وہ انہی کا حصہ ٹھہرا۔ ذو معنی الفاظ اور جملوں کا استعمال ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو اللہ کی دین ہے۔ مولانا چراغ حسن حسرت بھی کسی سے کم نہ تھے۔ ۱۹۳۹ء کے آس پاس وہ روزانہ اخبار نیشنل کانگریس لاہور میں سند باز جہازی کے قلمی نام سے مزاحیہ کالم لکھتے تھے۔ حاجی صاحب نے اپنے قلم کا ہدف بنایا اور اخبار زمیندار میں سند باد جہازی کا حوالہ اس طرح دیا۔ سند باد جہازی لکھتے ہیں کہ مثل مشہور ہے کہ نام بڑے درشن چھوٹے لیکن سر چھوٹو رام کا ذکر کرتے وقت اس مثال کو یوں الٹا لیا جائے کہ نام چھوٹا اور درشن بڑے۔ یعنی نام چھوٹو رام۔ لیکن ہزار ہا لوگوں کا جلوس نائٹ کا خطاب۔ تین ہزار

روپے تنخواہ آخر درشن کے بڑے ہونے میں کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔

اب حاجی صاحب کا جواب آل غزل ملاحظہ ہو۔ لیکن ہم جہازی صاحب کو ایک اور ضرب المثل بتاتے ہیں جو کسی الٹ پھیر کے بغیر ایک وزیراعظم پر پوری اتر سکتی ہے۔ مسٹر پنت یا مسٹر پنتھ کانگریسی وزیراعظم ہیں۔ کانگریس نے انھیں دو فائدے پہنچائے ایک تو ان کے لیے شاہانہ زندگی بسر کرنے کے سرکاری سامان مہیا کر دیے اور دوسری طرف تنخواہ پر پانچ سو روپے کی قید لگا دی تاکہ شان انکساری بھی قائم رہے۔ گویا ایک ہی وقت میں آپ وزیر اعظم بھی ہیں اور کھدر پوش بھی۔ اور اسی کو کہتے ہیں ''ایک پنتھ دو کاج'' لق لق نے پنت لفظ کے الٹ پھیر سے کیا محاورہ نکالا اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اخبار زمیندار میں ہی ایک کالم میں وہ کشمیریوں کی بابت اس طرح مقالہ کشائی کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کشمیریوں کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا اور انھیں ایک جنگی مہم پر بھیجنے کا حکم دیا گیا لیکن جب انھوں نے جنگ میں جانے کے متعلق حکم سنا تو کمان آفیسر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور آپ ہمیں میدان جنگ میں بھیج رہے ہیں لیکن ہماری حفاظت کا بھی کوئی بندوبست کیا ہے؟ اگر وہاں کسی کے گولی لگ گئی تو کون ذمہ دار ہوگا؟

۱۹۴۶ء میں وہ روزانہ زمیندار لاہور کے حلقہ ادارت میں شامل ہو گئے اور ''فکاہیات'' کے عنوان کے تحت شگفتہ بیانیاں کرنے لگے۔ اخبار زمیندار کی اشاعت بابت ۱۲۰ کتوبر ۱۹۴۶ء میں وہ لکھتے ہیں کسی مرزا اسمٰعیل امرتسری نے ایک غزل ارسال کی ہے اور مجھے لکھا ہے کہ بموجب ارشاد عالی ایک غزل روانہ کر رہا ہوں۔ قارئین زمیندار اس غزل کا ایک شعر برداشت کر سکیں گے۔

یہ تقاضا ہے کہ وہ غزل مجھ سے طلب کرتے ہیں
حضرت لق لق نے مجھے شرمندہ احساں بنا رکھا ہے

معلوم نہیں کہ میرا ارشاد عالی کس ذریعے سے حضرت کو پہنچا؟

میر انور صاحب وزیر آباد سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے پچھلے دنوں مالو شو کمپنی کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ نام کمپنی کے مینیجنگ ڈائریکٹر شیخ عبدالمالک کے نام

پر ہے۔ جنھیں بچپن میں گھر والے پیار سے ''مالو'' کہا کرتے تھے۔ شیخ صاحب کی شکل و صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والے تو کیا باہر والے بھی انھیں بہت پیار کرتے تھے۔ اور مالو کو دل میں بٹھاتے ہیں اب مالو شو مارکیٹ میں آ گیا تو دل میں بیٹھنے والا ''مالو'' پاؤں میں ہوگا۔

میر انور صاحب نے شیخ عبدالمالک صاحب کو خوب پہچانا۔ 'ولی را ولی می شناسد'

شاہی حکیم پنڈت گیان چند موجد شاہی ماء اللحم کا ایک بیان ''زمیندار'' میں شائع ہو چکا ہے، جس میں آپ نے شکایت کی ہے کہ سول سپلائی کے حکام حلوائیوں کو تو ''دل'' کھول کر کھانڈ دیتے ہیں۔ حالانکہ مٹھائیوں سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور حکیموں عطاروں کو کھانڈ دیتے وقت ''دل بند'' کر لیتے ہیں۔ حالانکہ شربت، مربے، اطریفل و معجونیں وغیرہ بیماریوں کو دور کرتی ہیں۔ میں حکیم صاحبان کو مشورہ دوں گا کہ وہ شربت شیرے چھوڑ کر مٹھائیاں بنانا شروع کر دیں۔ جوارشِ کمونی کی بجائے سرخی کمونی، شربت صندل کی بجائے صندلی رس گلے، مربہ ہرڑ کی بجائے ہرڑ جلیبی وغیرہ۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کے زمیندار میں حاجی موصوف نے لکھا:

اخبار احسان لاہور میں ایک نظم چھپی تھی جو شاداں بمبئی مرحوم کے نام لکھی گئی تھی۔ اس نظم پر پروفیسر مجید لاہوری ایم اے گورنمنٹ کالج درج تھا۔ مجید لاہوری میرے عزیز دوست ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجید صاحب کو پروفیسری مل گئی لیکن حیرت تھی کہ آپ راتوں رات اہم کس فعل سے بن گئے؟ آج انقلاب لاہور کے مطالعہ سے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اس میں مجید صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے۔ مجید صاحب لکھتے ہیں کہ یہ نظم پروفیسر حمید لاہوری ایم اے گورنمنٹ کالج لاہر کی ہے۔ یہ احسان کے کاتب کا احسان ہے کہ اس نے حمید کی بجائے مجید صاحب کا رتبہ بڑھا دیا۔ ابھی اس کاتب نے تو ایک ''ایں ویں'' (یونہی) کو ایم اے پاس بنا دیا اور پروفیسری بھی دلا دی۔ لیکن کاتب حضرات تو کسی کو لارڈ بنانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ پرسوں ایک مقامی اخبار میں ڈاکٹر امبیڈکر کو ''لارڈ'' امبید کر لکھا گیا تھا۔ یہ کاتب کی دین ہے جسے چاہے دے۔

۱۹را کتوبر ۱۹۴۶ء کے زمیندار میں رقم طراز ہیں:

''اجمل واحد صاحب وکیل لاہور نے ایک نظم برائے اشاعت ارسال کی ہے اس کا عنوان ہے ابلیس کا جرنلسٹ سے خطاب۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:

اٹھو ذرا انسان کو انساں سے لڑا دو

فتنے میری ایجاد ہیں تم ان کو ہوا دو

اجمل صاحب کہیں بھولتے تو نہیں؟ ابلیس نے ان الفاظ میں کہیں وکیل سے خطاب نہ کیا ہو:

تکذیب نوازی ہی تو ہے روح صحافت

ہر صدق و صداقت کو صحافت سے مٹا دو

مجھے وکیل صاحب نے نظم میں اصلاح و ترمیم کی اجازت نہیں دی۔ ورنہ میں مصرع اولیٰ کے آخری لفظ کو بدل دوں اور دوسرے مصرع میں بھی اس لفظ کی بجائے ایک موزوں تر لفظ ٹکا دوں اللہ اللہ ایک وکیل بھی اخبار نویس کو ابلیس کا حلیف قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ابلیس اپنے پرائے کو خوب پہچانتا ہے۔ اور اسی لیے اس نے ملزمان اجمل واحد اپنوں سے یوں خطاب کیا ہے:

سرمایہ پر ایمان کرو خوب تصدق

سرمایہ کے آقاؤں کی تم بگڑی بنا دو

ظاہر ہے سرمایہ داروں کی بگڑی چند ہی پیشیوں سے بن جاتی ہے۔ امجد صاحب بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ نظم پنجاب یونیورسٹی کے جرنلزم ڈے پر پڑھی تھی۔ گویا اخبار نویسوں کو اخبار نویسوں کے جلسے میں گالیاں دی گئیں اور انھیں بتایا گیا کہ وہ جس برادری میں شامل ہونے والے ہیں وہ ایمان اور امن سوز تکذیب نواز اور فسادی ہے۔ حیرت ہے کہ جرنلزم کلاس کے پرنسپل پرتھی پال سنگھ اور پروفیسر آقائے مرتضیٰ، احمد خان میکش یہ دشنام طرازی اور الزام تراشی کیسے سنتے رہے؟

☆☆☆

مولوی محبوب عالم

پہلے کے اخبارات اپنے زمانے کے ملکی معاشرتی، سیاسی اور تمدنی حالات کی صحیح طور پر عکاسی کرتے تھے۔ افسوس اس زمانے کے اخبارات ناپید ہیں جن کی اساس پر تاریخ کے اوراق مرتب ہوتے ہیں۔ مؤرخین کے لیے یہ مضمون نہایت کارآمد اور مفید مطلب ثابت ہوگا جس کے حوالوں سے تاریخ نویسی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

۱۹ ویں صدی کے آخری عشرے میں لاہور سے چھپنے والے اخبارات میں سب سے نمایاں مولوی محبوب عالم کا ہفتہ وار ''پیسہ اخبار'' تھا۔ اس کے معاصر اخبارات جو لاہور سے چھپتے تھے ان میں پنجاب سماچار عام انصاف پسند اور انتخاب لاجواب سرفہرست تھے۔ مؤخر الذکر بھی مولوی صاحب کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔

مولوی محبوب عالم نے ۱۸۸۷ء میں گوجرانوالہ سے ہفتہ وار ''ہمت'' نکالا وہ اچھے خوش نویس تھے۔ اس لیے اخبار کی کتابت خود کرتے۔ بعد ازاں اسی اخبار کو ''پیسہ اخبار'' کا نام دیا گیا۔ پہلا پرچہ ۱۰۰ کی تعداد میں چھپا تھا۔ اس کی قیمت ۳ پائی یعنی ایک پیسہ مقرر کی گئی۔ ۱۸۸۹ء میں مولوی صاحب نے ''پیسہ اخبار'' لاہور منتقل کر دیا۔ یہاں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور اخبار کی اشاعت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ لاہور سے ہی انھوں نے ماہنامہ ''شریف بیبیاں'' نکالا جس میں عورتوں کے متعلق مضامین چھپتے تھے۔

۱۸۹۴ء میں ''انتخاب لاجواب'' جاری کیا تو 'پیسہ اخبار' کی تعداد اشاعت ۳۷۰۰ ہوگئی۔ یہ ملک بھر کا واحد کثیر الاشاعت اخبار تھا جس کی تعداد اشاعت دس ہزار تک جا پہنچی

تھی۔ ملک بھر میں ''پیسہ اخبار'' کی دھوم تھی۔ ''پیسہ اخبار'' وطن پرست تھا۔ انگریزی تسلط و غلبے کو بارگراں سمجھتے ہوئے مولوی صاحب نے لاجواب اداریے لکھ کر عوامی ذہن کو بیدار کیا اور عوام کے دل میں حب الوطنی کا جوش وجذبہ پیدا کر کے انھیں ذوق اخبار بینی عطا کیا۔

مولوی محبوب عالم اردو فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ اور فن صحافت سے کما حقہ آگاہ۔ اس لیے ان کی خاص و عام میں عزت تھی۔ ''پیسہ اخبار'' فن صحافت کے مکتب کی صورت میں ابھر کر سامنے آیا۔ مولانا اسلم جیراج پوری، منشی انبا پرشاد، بابو دینا ناتھ، محمد دین فوق، ساغر اکبرآبادی، محمد عبد اللہ منہاس اور کئی نامور اخبار نویسوں نے اسی مکتب سے اکتساب فن کر کے ملک گیر شہرت حاصل کی تھی۔ ''پیسہ اخبار'' اور مولوی محبوب عالم کی شخصیت کے بارے میں قبل ازیں میرے دو مضامین چھپ چکے ہیں اس لیے بین السطور میں اجمالاً ''پیسہ اخبار'' کی قدیم اشاعتوں کے متعلق ضوفشانی کرتا ہوں تا کہ مؤرخین اس کی روشنی میں تاریخ کے اوراق کی تزئین کرسکیں۔

۱۸۹۵ء میں انگریزی ہفتہ وار اخبار ''دی سن'' جاری کیا جو دو سال جاری رہا۔ مولوی صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایڈیٹر گر ہیں۔ انھوں نے اردو صحافت کے میدان میں کئی ممتاز اخبار نویسوں کو اتارا جنھوں نے ملک گیر شہرت حاصل کی۔ ۱۹۰۰ء میں یورپ کا سفر کیا بعد ازاں سفرنامہ لکھا جس پر سرکار نے ۴۰۰ روپے کا انعام دے کر ان کی عزت افزائی کی۔ انھوں نے ہی اردو اخبار نویسوں کو منظم کرنے کے لیے پریس ایسوسی ایشن پنجاب قائم کی تھی۔

۲۴ نومبر ۱۸۹۴ء کے پیسہ اخبار کے چند اقتباسات ہیں:

''عشق کے کرشمے۔ برسٹل میں ایک عکاس کی دکان پر ایک شخص آیا اور ایک لیڈی کی تصویر پسند کی اور اس سے اس کا نام و نشان دریافت کیا۔ اسے معلوم نہ تھا۔ تصویر خرید لی اور اس کے معلوم کرنے کو انعامی اشتہارات دیے اور بہت کوشش کی بے سود۔ تمام عمر اس نے شادی نہیں کی اور پانچ برس ہوئے جب انتقال کیا چار ہزار روپے اس گم نام لیڈی کے لیے وصیت کر گیا۔''

۱۸۹۵ء کے ''پیسہ اخبار'' لاہور کے صفحہ ۵ پر ''روئے زمین کی خبریں'' عنوان کے تحت چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

☆ مہاراجہ کپورتھلہ یکم ستمبر کو وائسرائے اور لفٹننٹ گورنر پنجاب سے ملاقات کے لیے مسوری سے شملہ جائیں گے اور وہاں سے جلد کپورتھلہ واپس آئیں گے تا کہ دسہرے کی تقریب میں شریک ہوسکیں۔

☆ دیوان گوبند چند وزیر ریاست چیمہ کو راجہ صاحب نے خاص خدمت پر ''پانگی'' کے لیے بھیجا ہے۔ میاں بھورے سنگھ قائم مقام وزیر مقرر کیے گئے ہیں۔

☆ یکم ماہ آئندہ سے ۲ روپے، ۳ روپے اور پانچ روپے کے ٹکٹ ڈاکخانہ سے جاری ہوں گے۔ گورنمنٹ سے حکم ہو چکا ہے۔

☆ قلعہ لاہور کے آگے جو نالہ ہے اس کا پل چوڑا بنایا جانا ہے۔

☆ کمیشن حد بندی سکم و تبت کو ہندوستان واپس آنے کا حکم پہنچایا گیا ہے۔ اب آئندہ موسم میں کام شروع ہوگا۔

☆ فوج چترال کا مقدم حصہ آخر ستمبر تک ہندوستان آجائے گا۔ آئندہ حاکم باجوڑ عبدالحمید خان ہوں گے۔

☆ نوجوان شجاع الملک ہنوز بدستور برائے نام مہتر چترال ہے۔ لیکن اس کا رسوخ مطلق نہیں۔

☆ چھ دیسی رجمنٹ سرحد کے پار چترال کے متعلق قائم رہیں گے۔ ان کا سالانہ خرچ ۲۰ سے ۳۰ لاکھ روپے تک ہوگا۔

☆ کابل میں مشہور ہے کہ گورنمنٹ عمر خاں کو بلا کر اس کا موروثی ملک اس کے حوالے کرانے والی ہے۔ اس لیے اس کے سوا غیر سے انتظام ممکن نہیں ہے۔

☆ لارڈ روز بری نے قبضہ چترال کی مخالفت ظاہر کی ہے۔ رابرٹس صاحب چترال پہنچ کر گورنمنٹ کا فیصلہ سنائیں گے اور ایک دربار کر کے شجاع الملک کی مہتری تسلیم کریں گے۔

☆ روس اور فرانس میں اتحاد ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی پر کوئی طاقت حملہ کرے تو دوسرا اس کی مدد کرے۔ ستمبر گزشتہ میں اس کی تجدید ہوئی اور غالباً ۱۸۹۷ء میں اس کی پھر تجدید ہوگی۔

☆ دہلی میں امراؤ مرزا حیرت صاحب اور پادری لیفرائی صاحب کے درمیان دوزخ اور بہشت کی بنسبت مباحثہ ہوا اور دو عیسائی مسلمان ہو گئے۔ دہلی میں پھول والوں کی سیر میں ادنیٰ واعلیٰ قسم کے دکان داروں پر ٹیکس لگایا گیا۔ یہاں تک کہ ناچنے والیوں پر بھی دو دو روپے لگے۔

۲۹ر فروری ۱۸۹۶ء کے ''پیسہ اخبار'' میں مولوی محبوب عالم نے ایک اداریہ بعنوان ''دیسی اشیاء کے استعمال کی ضرورت'' قلم بند کیا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''باوجود ہندوستان کے کارخانہ داروں کی عام مخالفت اور واجبی شکایت کے محض اہل مانچسٹر کے لیے گورنمنٹ نے محصول پارچہ کے جدید قانون کو نافذ کر کے ہندوستان میں بد دلی اور ناخوشی پھیلا دی ہے۔ بمبئی میں اور جا بجا اجلاس منعقد ہو کر گورنمنٹ کی اس ناانصافی پر اظہار نفرت وملول کیا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے لوگ اب زیادہ سرگرم معلوم ہوتے ہیں کہ ولایتی کپڑے کا استعمال یک قلم چھوڑ کر صرف اپنے ہی ملک کا بنا ہوا کپڑا جو مضبوطی اور عمدگی کے لحاظ سے ولایتی کپڑے کی بہ نسبت کہیں سستا ہے پہنا کریں۔''

محولہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ پیسہ اخبار کانگریس اور اس کی سودیشی تحریک کا مقلد و حامی تھا اور مولوی محبوب عالم اپنی بے باک تحریروں سے عوامی ذہن کو بیدار کرنے کی سعی میں مصروف رہے۔ ان کے دل میں حب الوطنی کا نیک جذبہ موجزن تھا۔ ان کا ایک اور ولولہ انگیز اداریے کا نمونہ دیکھیے:

انگلستان کے اکثر اخراجات یا تو کلیۃً انگلستان کے خزانے سے دیے جانے کے قابل ہیں یا کم از کم ایک واجبی حصہ کا خزانہ ہند سے لینا چاہیے۔ لیکن سب کے سب غیر واجبی طور پر ہندوستان کے سر بندھے ہوئے ہیں اور دس سالوں سے ۳۰ فیصد کی اوسط سے ان میں اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ لندن میں انڈیا آفس بنا۔ اس کا خرچ تعمیر ہندوستان سے پانچ

لاکھ پونڈ لیا گیا اور جو میونسپل آفس لندن میں بنایا گیا اس کے لیے خزانہ ہند سے ایک لاکھ روپیہ اٹھایا گیا۔ (مالِ مفت دلِ بے رحم)۔"

صفحہ ۸ پر خبر ہے: "قانون شادی ہنود بنگلہ۔ بنگلہ کے اہل ہنود میں شادی دختران کی بنسبت بہت بڑا دستور مروج ہے۔ لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کو جب تک بہت بڑی مقدار جہیز اور زیورات کی نہ دے تب تک خاندانی عہدہ اور لائق شوہر نہیں مل سکتا۔ اس لیے وہاں کی لجسلیٹو کونسل میں آنریبل بابو رسک لال دت نے ایک مسودہ قانون اس بری رسم کے انسداد کے لیے پیش کیا ہوا ہے۔" صفحہ ۹ کے کالم ۲ میں فیروز پور کے ڈاکے کی خبر ہے۔ لدھیانہ کی سڑک پر کئی ایک گاڑیاں یکہ اور شکرم وغیرہ تھیں۔ تیس چالیس آدمی پولیس کی وردی پہن کر چیس لگائے آپڑے۔ بہت سے آدمیوں کو زخمی کیا اور بہت سا مال تقریباً ڈیڑھ ہزار روپے لے گئے۔

اس ہفتہ چھاؤنی کے پاس ہوئی قتل کی وارداتوں کے متعلق خبر ہے کہ پچھلے سال بھی ایک گورے نے ایک پنکھا قلی کو جان سے مار دیا تھا۔ اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ چھاؤنی کے باہر ہی دو تین روز ایک غریب سکھ کلہاڑی سے زخمی پایا گیا۔

سنا گیا ہے کہ جو سانسی لوگ اور ان کی عورتیں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے زبردستی بھیک مانگتی پھرتی ہیں ان کی چند عورتوں نے ایک مسافر عورت کو مار ڈالا۔ خاوند آگے جارہا تھا۔ یہ عورت راستہ میں اتر کر کھیت میں قضائے حاجت کو گئی۔ وہاں یہ سانسی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے گلا دبا کر مار دیا ایک پولیس مین نے عورتوں کا جمگھٹا دیکھ کر پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ایک عورت کو لڑکا ہونے والا ہے۔ سپاہی آگے چلا گیا۔ اور اس مسافر کو برسر راہ کھڑا دیکھا۔ پوچھا تو اسنے بتایا میری گھر والی رفع حاجت کو کھیت میں گئی ہے۔ سپاہی سنتے ہی گھبرایا اور چلا کر کہا کہ کم بخت اس عورت کو تو سانسیوں نے مار ڈالا ہوگا۔ یہ کہہ کر دونوں دوڑے۔ چند ایک کو گرفتار کیا باقی بھاگ گئیں۔

۲۴ر نومبر کو امرتسر کا میلہ ختم ہوا۔ ساڑھے چار ہزار گھوڑے۔ ۱۵ ہزار خچر، ۳۲ ہزار مویشی اور ۲ ہزار اونٹ جملہ ۵۰ ہزار جانور آئے اور ایک ہفتہ میں دو ثلث فروخت ہو گئے۔

میونسپل سے مویشیوں پر دو ہزار اور پنجاب گورنمنٹ سے گھوڑوں پر دو سو روپے انعام دیا گیا۔

۲؍اپریل ۱۸۹۸ء کے پیسہ اخبار میں مرثیہ سرسید احمد مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی کا شریک اشاعت ہوا۔ اس کے چند اشعار ہیں:

ہائے اے سرسید احمد خاں بہادر ہائے ہائے
بحرِ ہمت میں تھے آپ ایک بے بہا دُر ہائے ہائے
قوم کو تھا آپ سے عز و تفاخر ہائے ہائے
آپ کا اب رہ گیا ہم میں تصور ہائے ہائے
اے حکیمِ قوم اٹھ حالت ہماری زار ہے
منہ کفن سے کھول سید قوم کل بیمار ہے

☆☆☆

مولانا ثناء اللہ امرتسری

محدث اعظم مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے والد ماجد ضلع سری نگر کشمیر کے باشندے تھے۔ پشمینے کے کاروبار میں اکثر امرتسر آیا کرتے تھے۔ جب کاروبار میں افزائش ہوئی تو وہ امرتسر کے ہی ہو کر رہ گئے۔ کٹرہ بھائی سنت سنگھ میں ایک مکان خرید لیا اور امرتسر کو اپنا وطن ثانی بنالیا۔ وہ ذات کے کشمیری پنڈت تھے۔ انہی کے ہاں مولانا ثناء اللہ کی پیدائش جون ۱۸۶۸ء میں ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد انہوں نے رفو گری کا ہنر سیکھا۔ اس زمانے میں کشمیری رفوگروں اور شال بافوں کی امرتسر میں بڑی تعداد موجود تھی۔ انڈین شیکسپئر آغا حشر کاشمیری کے والد بھی یہیں آباد تھے لیکن ان کی پیدائش وارانسی میں ہوئی تھی۔ مولانا ثناء اللہ نے رفو گری کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم وتربیت کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حال پاکستان کے مشہور محدث حافظ عبدالمنان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حافظ صاحب بصارت سے محروم لیکن بصیرت سے بہرہ ور تھے۔ ان کا دور دور تک نام تھا۔

سر سید احمد خاں سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آپ اللہ میاں سے کیا کہیں گے کہ تم نے کون سا معرکہ سر کیا۔ تو سر سید نے جواب دیا کہ میں الطاف حسین حالی کی مسدس پیش کردوں گا۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی نے بھی کہا تھا جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے عالم ناپائیدار میں کون سا قابل ترین کام کیا ہے تو میں کہوں گا کہ میں نے مولانا ثناء اللہ کو محدث بنایا۔ اس نے مجھ سے کسب فیض کیا اور علم حدیث کی روشنی ملک بھر میں پھیلائی۔ مولانا ممدوح دارالعلوم دیوبند جا کر وہاں مولانا محمود الحسن شیخ الہند کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ بعد

ازاں کان پور کے مدرسہ فیض عام سے اکتساب علم حدیث کیا۔ تحصیل علم سے آراستہ ہونے کے بعد انہوں نے امرتسر میں شمع حدیث کو روشن کیا، جس سے ان کی شہرت ومقبولیت بڑھی۔ ۱۸۹۸ء میں موصوف نے مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ کے بطور صدر مدرس فرائض انجام دیے۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی کا امتحان مولوی، فاضل امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ واپس امرتسر آکر انہوں نے تالیف وتصنیف کا کام شروع کیا اور کئی کتابیں سپرد قلم کیں۔ ان کی مشہور کتاب تفسیر ثنائی آٹھ جلدوں پر محیط ہے۔ اس کے سوا ان کی اسلامی تاریخ پر کتاب بھی لاثانی قرار دی گئی۔ یہ کتاب اہل اسلام میں اس قدر مقبول ہوئی کہ نواب بھوپال نے اس کتاب کی ہزاروں جلدیں خرید کر مختلف کتب خانوں کو بطور ہدیہ بھیجوائیں۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۰۳ء کو انہوں نے ہفتہ وار اخبار 'اہل حدیث' جاری کیا۔ وہ ہر جمعہ کو ۱۶ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کا زر سالانہ والیان ریاست سے دس روپے، رؤسا اور جاگیرداروں سے چھ روپے اور عام اشخاص سے پانچ روپے لیا جاتا تھا۔

کٹڑا بھائی میں ان کا کتب خانہ اور آفس تھا۔ ان کے کتب خانے میں بے حد نادر ونایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ ایک بار مولانا ابوالکلام آزاد نے جو ان دنوں سہ روزہ وکیل امرتسر میں ملازمت کرتے تھے ان کے کتب خانے سے وہاں کی مطبوعہ عربی کی ایک کتاب مستعار لی۔ لیکن واپس نہیں کی۔ جس کا مولانا ثناء اللہ کو بڑا قلق تھا۔ اخبار اہل حدیث مولانا کے اپنے ثنائی برقی پریس میں چھپتا تھا۔ اخبار کے سرورق پر درج ذیل اشعار ہوتے تھے:

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھو کسی کا قول و کردار
جب اصل ہے تو نقل کیا ہے
یہاں وہم وخطا کا دخل کیا ہے

مولانا کے سب سے بڑے حریف تھے جماعت احمدیہ قادیان کے اکابرین۔ ان کے ساتھ اکثر مناظرے ومباحثے ہوا کرتے تھے۔ شیخ یعقوب علی تراب مبلغ احمدیہ اور ہفتہ وار اخبار الحکم کے ایڈیٹر تھے۔ قادیان سے جاری اخبار کی اشاعت امرتسر میں ہوا کرتی

تھی۔ انگریزی سرکار نے جب اخبارات کی ضمانتیں لینا اور ضبط کرنا شروع کیں تو مولانا بے قرار اور سیخ پا ہوا ٹھے۔ انہوں نے ۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء کے شمارہ میں احتجاجی شذرہ لکھا۔

ہندوستان میں عموماً پنجاب میں خصوصاً آئے دن خبریں شائع ہوتی تھیں کہ آج فلاں اخبار سے ضمانت طلب ہوئی تو آج فلاں اخبار سے۔ چنانچہ ۸ ستمبر کو لاہور میں جن کے اخبارات کی ضمانت لینے کا مطالبہ کیا گیا ہے ان کی فہرست یہ ہے:

ایک ہزار روپے کی ضمانت لابھ سنگھ سے لی جائے۔ خیر خواہ نام سے مطبع جاری کرنا چاہتا ہے، جس میں لاری گزٹ سکھ قوم کا پرچہ چھاپا جائے گا۔ پانچ ہزار روپے کی ضمانت رام چندر سے لی جائے جو نرائن پریس لگانا چاہتا ہے۔ دو ہزار روپے کی ضمانت منڈی داس سابق ایڈیٹر انڈیا سے لی جائے جو ایک پریس جاری کرنا چاہتا ہے۔ پانچ سو روپے عبدالحق سے، ایک ہزار روپے مرلی لال شرما پراشر ہفتہ وار اخبار 'ہندو' سے، پانچ سو روپے حکم چند سے جو آریہ ٹیم پریس سے 'راجپوت' نامی اخبار نکالنا چاہتا ہے۔

'اہل حدیث' تجویز پیش کرتا ہے کہ دربار دہلی کی یادگاروں میں ایک بری یادگار یہ جدید قانون منسوخ کر دیا جائے گا۔

مولانا ثناء اللہ آریہ سماجیوں، احمدیوں اور عیسائیوں کے علم برداروں کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔ اخبار اہل حدیث میں جو فتاوے شائع ہوتے تھے ان کا ایک منتخبہ مجموعہ 'فتاویٰ ثنائیہ' کئی جلدوں میں شائع ہو کر مقبول و مشہور ہوا تھا۔

مولانا مفسر قرآن بھی تھے۔ انہوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں تالیف کر کے شہرت دوام حاصل کی۔ 'اہل حدیث' کے علاوہ انہوں نے مرقع قادیان یکم جون ۱۹۰۷ء میں اور ۱۹۰۸ء میں ماہنامہ مسلمان جاری کیا تھا مگر موخر الذکر 'مسلمان' انگریزی سرکار نے ضبط کر لیا تھا۔ 'اہل حدیث' باقاعدہ شائع ہو کر نور افشانی کرتا رہا لیکن مرقع قادیان اور مسلمان بند ہو گئے۔ 'اہل حدیث' علمی و دینی اخبار تھا۔ جسے غیر مسلم بھی اشتیاق سے پڑھتے اور مولانا کے قلم کی جولانیوں کی تعریف کرتے۔ فروری ۱۹۱۹ء میں اخبار پر عتاب شاہی نازل ہوا تو دو شمارے شائع نہیں ہو سکے۔ لیکن مولانا نے اپنی ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے اخبار کا

متبادل 'گلدستہ ثنائی' شائع کر کے تسلسل و تواتر کو برقرار رکھا۔

'اہل حدیث' کے اگست ۱۹۲۳ء میں بھی دو شمارے اشاعت پذیر نہیں ہو سکے۔ امرتسر کے مولانا داؤد غزنوی کو بغاوت ہند کی دفعہ میں ایک سال قید سخت اور چار سو روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی تو انہیں ملتان سینٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مزید برآں ان سے ملاقات پر بھی پابندی عائد کی گئی۔ مولانا ثناء اللہ اس گرفتاری سے سخت برہم ہوئے۔ انہوں نے ۲۵ر فروری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں مولانا غزنوی کے حق میں صدائے احتجاج بلند کی۔ مولانا نے علم و ادب اور صحافت کی بے پایاں خدمت کر کے جو شہرت حاصل کی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے۔ ابوالکلام آزاد موصوف کے سب سے بڑے مداح تھے۔ ان کے اخبار کی بھی دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی تھی۔

دسمبر ۱۹۳۸ء میں ان کے ذاتی ثنائی برقی پریس سے ایک کتاب موسوم بہ ''پیغام زندگی'' شائع ہوئی۔ جسے مورد الزام ٹھہراتے ہوئے حکومت انگلینڈ نے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔ مولانا کی زندگی بے حد مصروف تھی۔ ان کا بیشتر وقت تصنیف و تالیف، خطابت اور مناظرات میں صرف ہوتا تھا۔ ان کے حریف بھی ان کی بے پناہ علمیت اور انداز تحریر و تقریر کے معترف تھے۔ اکثر مناظرات میں برمحل اشعار کے حوالے دے کر تقریر کو پرلطف بنا دیتے۔ ان کا آخری مناظرہ ۲۴ر مئی ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں دہلی کے مشہور آریہ سماجی پنڈت رام چند سے ہوا تھا۔ مولانا ثناء اللہ اپنے نام کے ساتھ امرتسری ضرور لکھا کرتے تھے کیونکہ ان کے ایک ہمنام مولوی ثناء اللہ پانی پتی بھی عالم حدیث تھے۔ ریاست نابھہ میں اکالیوں پر عتاب نازل ہوا تو امرتسر میں سکھوں کے ایک اجتماع سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے بھی خطاب کیا۔ ڈاکٹر کچلو ماہنامہ تنظیم کے سرپرست و مدیر تھے۔ (چند شمارے کتب خانے میں ہیں)۔ ڈاکٹر کچلو تحریک آزادی میں شامل تھے۔ اکثر جلسوں میں تقریریں کرتے۔ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔

'اہل حدیث' امرتسر ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کی اشاعت کے صفحہ ۱۱ر پر ان کی جو تقریر شائع ہوئی اس کا لب لباب ملاحظہ ہو:

''آپ نے سول نافرمانی کا ریزولوشن پاس کر کے مجھے یقین دلایا کہ آپ بالکل تیار ہیں۔ یہ ایسی تحریک ہے کہ اگر آپ اس پر عمل کریں گے تو جس قدر تکلیفیں ہیں سب دور ہونی شروع ہو جائیں گی۔ میرے ماجھے کے فوجی جو آج تک گورنمنٹ کے دائیں بازو بنے ہوئے تھے آج دیش کے لیے تیار ہیں۔ حیوان طاقت میں مضبوط ہیں لیکن جو کچھ عقل سے انسان کر سکتا ہے حیوان نہیں کر سکتا۔ جوش بڑی اچھی چیز ہے لیکن ایک جوش اندھا بھی کر دیتا ہے۔ مثلاً لوگ خون خرابے کر ڈالتے ہیں لیکن ایک جوش ٹھنڈا بھی ہوتا ہے۔ جوش ہو تو ٹھنڈا جوش ہو اور وقت پر نکلے۔ یہ جوش ہی قوموں کو بناتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ جوش کو بڑھائیں لیکن نظام کے ساتھ۔ ایسا نہ ہو کہ جوش قابو سے نکل جائے اور کام بگڑ جائے۔ اس لڑائی کے لیے ایک ضروری بات یاد رکھو کہ ایک مرد اور عورت ملازم وغیرہ سمجھ لے کہ اپنے اللہ کی راہ میں دیش سیوا کے لیے اس وقت اگر آپ کام کریں گے تو فتح آپ کی ہوگی۔

مولانا محمد علی جوہر دونوں بھائی سردار ولبھ بھائی پٹیل، سی آر داس، منگل سنگھ بابو، راجندر پرساد اور میرے نہایت عزیز پنڈت جواہر لال نہرو یہ آٹھ سول نافرمانی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہندوستان کے کونے کونے میں جا کر لوگوں کو تیار کریں۔ بھرتی شروع کر دیں۔ تلک سوراجیہ فنڈ کے لیے چندہ جمع کریں۔ جس وقت ملک تیار ہو جائے روپے کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ برٹش مال کا بائیکاٹ کریں اور اعلان کریں کہ ہم لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ سرکار ہم سے صلح کرے یا دیش کو خالی کرے۔ نابھہ کا معاملہ اب اکیلے سکھوں کا نہیں رہا بلکہ ملک کا مشترکہ سوال بن گیا ہے اور اگر گورنمنٹ اپنے رویہ پر قائم رہی تو کانگریس پوری طاقت کے ساتھ سکھوں کا ساتھ دے گی۔''

ہفتہ وار اہل حدیث کے ۲۱/ستمبر ۱۹۲۳ء کے شمارے میں خبر درج ہے: شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کی طرف سے وائسرائے ہند کے نام تار دیا گیا ہے کہ جیتو (ریاست نابھہ) میں اکالیوں کو بھجن گانے اور گرنتھ صاحب کا پاٹھ کرنے سے روکنے کے لیے پولیس اور فوج نے محاصرہ کر لیا ہے اور 13 ستمبر کی صبح سے اب تک بھوکے ہیں۔ خوراک اور پانی لانے کی سخت ممانعت ہے۔ یہاں تک کہ قضائے حاجت کی بھی اجازت

نہیں۔ گوردوارہ کمیٹی اس سلوک کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اگر کوئی جانی نقصان ہوا تو حکومت کو مجرم قرار دیا جائے گا۔"

۱۹؍اکتوبر ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۴ پر "انتخاب الاخبار" کے زیرِ عنوان چیدہ چیدہ خبریں دی گئی ہیں اور ان خبروں کا انتخاب الانتخاب ملاحظہ ہو:

"مولانا محمد داؤد غزنوی ۱۱؍اکتوبر کی شام اپنی معیادِ قید ختم کر کے روہتک جیل سے امرتسر پہنچے۔ خلافت کمیٹی کے ارکان نے ریلوے اسٹیشن پر ان کا خیر مقدم کیا اور جلوس نکالا۔"

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۲؍اکتوبر کو میانوالی جیل سے اپنی سزائے قید پوری کر کے گجرات (گجرات پاکستان) پہنچ گئے ہیں۔ اسٹیشن پر آپ کا جلوس بڑی آب وتاب کے ساتھ بازاروں سے ہوتا ہوا دفتر خلافت پہنچا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری بڑے وسیع القلب انسان تھے۔ ایک بار ۱۹۳۷ء میں ایک شخص قمر بیگ نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اسے عدالت سے چار سال قید سخت کی سزا ہوئی۔ مولانا کو پتہ چلا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کیونکہ قاتلانہ حملہ کرنے والا مالی لحاظ سے بے حد کمزور تھا۔ مولانا موصوف نے قمر بیگ کی بیوی بچوں کو پوشیدہ طور پر ہر ماہ پچاس روپے ماہانہ بھجوانے شروع کر دیے اور کہا کہ "قمر بیگ نے جرم کیا لیکن اس کے بیوی بچوں کا کیا قصور؟"

مولانا کی سخاوت کی ایک اور مثال ہے۔ ضلع گجرات پنجاب کے اخبار نویس سید حبیب جو لاہور سے روزانہ سیاست نکالتے تھے مولانا کے خلاف اکثر زہر افشانی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ صاحب فراش ہوئے تو مولانا ان کی عیادت کے لیے گئے اور ایک لفافہ ان کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ جس میں معقول رقم تھی۔ ایک بار مولانا کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا اور بیساکھیوں کے سہارے چلنے پھرنے لگے۔ آزادی سے پہلے پنجاب میں صوبائی انتخابات ہوئے تو احباب نے پوچھا کہ شہر میں فلاں فلاں شخص امیدوار کے طور پر کھڑے ہیں، آپ کس کو ووٹ دیں گے؟ مولانا نے جواب دیا کہ اگر میرا ووٹ ہے تو میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو دوں گا۔ مولانا ثناء اللہ غیر معمولی اوصاف حمیدہ اور بلند

اخلاق وکردار کے مالک تھے۔۱۹۴۷ء میں جب پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے تو مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کے نادر کتب خانے کی حفاظت کے لیے معقول انتظام کیا لیکن پیشتر ازیں ہی علم وادب کا خزانہ خاکستر ہو چکا تھا۔

۱۹۲۰ء کا ایک پرانا واقعہ یاد آیا جب انجمن اہل حدیث پنجاب کا صدر دفتر لاہور میں قائم ہوا۔ مولانا عبدالقادر قصوری اس کے صدر اور مولانا ثناء اللہ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔۱۹۲۶ء میں وہ حج بیت اللہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ سعودی عرب میں سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ان کی پذیرائی کی۔۱۹۲۸ء میں مولانا موصوف نے بکثرت مناظرے کر کے اپنی انفرادی حیثیت قائم کی۔ان کے مناظروں کی ملک بھر میں شہرت تھی۔ دیوبندی اور بریلوی مسلک کے علماء بھی موصوف کے مناظرے میں شریک ہوتے وہ تحریر وتقریر کے بادشاہ اور بلبل ہزار داستان تھے۔ انہیں استدلالی طور پر قائل کرنا بے حد مشکل تھا۔ ایک بار مولانا عبدالعزیز سے مناظرہ ہوا۔ شرط طے پائی کہ مولانا ثناء اللہ دوران مناظرہ کوئی شعر نہیں پڑھیں گے۔اس شرط پر قائم رہنا مشکل تھا۔ جب فاضل دیوبند مولانا عبدالعزیز مناظرے میں کوئی مدلل جواب نہ دیتے تو مولانا ثناء اللہ خود کہتے۔ بولیے اور جواب دیجیے ورنہ میں ابھی شعر پڑھتا ہوں۔ مولانا کا طرز تکلم کچھ اس طرح کا تھا کہ حاضرین ہنسے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ بھی ان کا خاص وصف تھا۔ وہ مفسر قرآن، محدث اعظم اور جید عالم ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ایک دردمند دلنواز منکسر المزاج انسان بھی تھے۔

انہیں دین کے سوا سیاست سے کوئی سروکار نہیں تھا۔لیکن اپنے اخبار میں ملکی مطلع کے زیر عنوان کچھ اہم ترین واقعات کا تذکرہ ضرور کرتے تھے۔ ۲۳رنومبر ۱۹۲۳ انکے اخبار اہل حدیث امرتسر کے صفحہ ۱۱ پر امرتسر میں کانگریسی ہفتہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔ گزشتہ ہفتہ امرتسر میں گویا کانگریس کا گزرا۔ بنگال سے قریباً سبھی سرکردہ کانگریسی لیڈر آ گئے۔ جلسے ہوئے، جلوس نکلے۔ اصل میں کارروائی تو تھی سکھوں کی۔ ۱۳رنومبر کو سکھوں کا بڑا جلوس نکلا۔ بڑے بڑے جھنڈوں اور بورڈوں پر لکھا ہوا تھا۔ یہ وہ کمیٹی ہے جس کو گورنمنٹ نے خلاف قانون قرار دے کر پہلے اس کے ممبروں کو گرفتار کیا ہے۔ سکھوں کی گوردوارہ

پر بندھک کمیٹی کے بڑے بڑے ممبروں کو اس لیے گرفتار کیا گیا تھا کہ ان کی تحریک رک جائے گی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ بجائے رکنے کے زیادہ گرم ہوگئی۔ ادھر کانگریس کی کارکن کمیٹی نے بھی امرتسر میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ سکھوں کی اس کارروائی کو ان کے ساتھ مخصوص نہ سمجھا جائے۔ بلکہ سارے ملک کا یہ سوال ہے۔ اس لیے ان کے کام میں مدد دی جائے......

لیڈروں میں مولانا ابوالکلام آزاد، لالہ لاجپت رائے، علی برادران (مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر) پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ نے تقریریں کیں جن سب کا خلاصہ سکھ قوم کی ثابت قدمی کی تعریف اور کام میں ہمدردی اور ہندو مسلمانوں کو ان سے سبق سیکھنے کی ہدایت تھی۔

۱۴ر نومبر کو امرتسر میں لیڈران کانگریس نے یہ تجویز منظور کی کہ شرومنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی اور اکالی دل پر گورنمنٹ کا حملہ تمام ہندوستانیوں کی غیر استبدادی سرگرمیوں کے لیے آزادی کی انجمن کو ایک براہ راست چیلنج ہے اور اس کا یقین کر کے یہ صرف آزادی کی تمام تحریکوں پر لگائی گئی۔ سکھوں کی حمایت کا فیصلہ کرتی ہے۔

ایک بار امرتسر میں اہل حدیث کی نماز عید کے امام خلیفہ عبدالرحمٰن جو معمولی تعلیم یافتہ تھے پنجابی میں تقریر کرنے لگے۔ اوعورتو اوعورتو سنو۔ مولانا ثناء اللہ نے سنا تو برافروختہ ہوئے۔ ضبط کر کے کہنے لگے یہ مناسب نہیں۔ خلیفہ صاحب صحیح یہ ہے کہ ''ماؤ بہنو'' کہو......

۱۹۴۷ء میں بھی فسادات کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ مولانا کے اکلوتے صاحبزادے عطاء اللہ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک دستی بم ان کے قریب آکر پھٹا جس سے وہ سخت زخمی ہوگئے اور بعد ازاں دم توڑ دیا۔ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو وہ نئی مملکت کا پاکستان روانہ ہوئے اور سرگودھا کو اپنا مسکن بنالیا۔ ۱۳ر فروری ۱۹۴۸ء میں فالج کا دورہ پڑا اور ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو راہی ملک عدم ہوگئے۔

☆☆☆

مولانا تاجور کا

اپنا کوئی مجموعہ شائع نہ ہوسکا

شمس العلماء مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی اپنے وقت کی بڑی قد آور علمی و ادبی ہستی تھے۔ اردو علم و ادب، صحافت پر ان کے احسانات کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔ وہ جب تک زندہ رہے ان کی زندگی فکر و عمل کی کئی سطحوں پر اہل ہنر کے لیے وقف رہی۔ ان کی ذات سے مستفیض ہونے والوں میں سردار اودے سنگھ شائق، کرپال سنگھ بیدار، شباب کیرانوی، اختر شیرانی، قیوم نظر، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ وغیرہ کئی ممتاز ہستیاں شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ان کے لاتعداد شاگرد تھے جنھوں نے کسی نہ کسی طرح مولانا سے اکتساب فن کیا۔ انھوں نے کئی عظیم شاعر و ادیب اور نقاد پیدا کیے۔ وہ فاضل دیو بند تھے اور ان کے چہرے پر شرعی داڑھی بھی تھی۔

ادبی دنیا کا اجراء

مئی ۱۹۲۹ء میں انھوں نے ایک ہنگامہ خیز ادبی رسالہ ماہنامہ ''ادبی دنیا'' جاری کیا۔ جو ۹۶ بڑے حجازی صفحات پر نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ راقم کے کتب خانے میں ادبی دنیا کے سال اول کا مکمل فائل موجود ہے۔ مولانا تاجور ادبی دنیا بابت

مئی ۱۹۲۹ء کے اول شمارے میں لکھتے ہیں: ''اردو ادب کے متعلق یہ انقلابی پروگرام ہم 1918ء سے انجمن ارباب علم پنجاب کے ذریعے ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ (مدیرانہ حیثیت اگر ''ہم'' کی بجائے ''میں'' لکھنے کی اجازت دے سکتی تو ''میں'' زیادہ مناسب تھا)۔ ادبی دنیا کے اجراء سے دوسرا مقصد اردو ادب کو دوسری علمی زبانوں کے خزانوں سے سرمایہ دار بنانا ہے۔ علمی تصانیف سے قطع نظر کیجیے کہ وہ علمی زبان میں لکھی جایا کرتی ہیں۔ اہل علم کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کاشی کے پنڈتوں اور دیوبند کے مولاناؤں سے ہم آسان اردو کی توقع نہیں کر سکتے۔ مذہب جس کے لیے یہ خون خرابے ہو رہے ہیں اس کی تبلیغ کا فرق اہل مذہب کی دشوار فہم کتابوں کے سبب پورا نہیں ہو سکا نہ کسی ہندو کو صحیح اسلام کا پتہ ہے اور نہ کسی مسلمان کو اصلی ویدک دھرم کی خبر۔ کیونکہ اسلام کی تبلیغ حجازی اردو اور ویدک دھرم کا پرچار ویدک بھاشا میں ہوتا رہا ہے اور اس طرح زبان کے حجاب نے ہمیں بہت سی صداقتوں سے محروم کیے رکھا۔''

مولانا تاجور کا یہ بلند پایہ ادبی ابتدائیہ علمی و ادبی حلقوں میں یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اس سیاق و سباق میں جو معنی خیز پیغام دیا ہے وہ ہمیشہ نقش دل رہنے کے لائق ہے۔

اردو مرکز کا قیام

۱۹۲۶ء میں انھوں نے اردو مرکز قائم کیا جو عظیم الشان قابل فخر علمی و ادبی کارنامہ تھا۔ اس کے تحت میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشر انارکلی لاہور نے پچاس ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے تین صدی کے اردو ادب کا نچوڑ ۳۳ مجلدات کی شکل میں شائع کیا جو ایک لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں۔

ہفت روزہ ''پریم'' بچوں کا ہر دلعزیز رسالہ تھا جس میں مستقل عنوانات ''ہمارا مذہب'' اور ''پیارا دیش'' کے تحت ہر ہفتے مولانا تاجور کو لکھا کرتے تھے اور ان موضوعات پر کسی دوسرے کو لکھنے کی اجازت نہ تھی۔

مولانا نے حکیم محمد یوسف حسن کے ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' کو چیلنج دینے کے لیے ادبی دنیا جاری کیا۔ جب تک ادبی دنیا چھپتا رہا نیرنگ خیال اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اگر چہ نیرنگ خیال بھی ایک قابل قدر معیاری رسالہ تھا مگر وہ مولوی مدن والی بات کہاں۔ ادھر حکیم یوسف حسن خاموشی سے اس بات کے منتظر رہے کہ کب مولانا تاجور دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب ادبی دنیا کو مالی نقصان ہونے لگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ادبی دنیا خریدنے والے کم اور مفت کے طلبگار زیادہ تھے۔ دوسرا سبب یہ کہ مولانا تاجور لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے گرانقدر معاوضہ دینے لگے تھے۔ انھوں نے ہزاروں روپے خرچ کر کے اسے ایک مینارہ نور بنایا جس سے ہر ایک کی نگاہیں خیرہ خیرہ ہونے لگیں لیکن ایک سال کے بعد ہی اس کا وجود خطرے میں پڑ گیا کیوں کہ مولانا تاجر نہیں محض تاجور تھے۔ وہ تجارتی اسرار و رموز سے ناواقف سیدھے سادے ''مولوی'' تھے۔ اس لیے ادبی دنیا پچاس ساٹھ ہزار روپے کا خسارہ برداشت کرنے کے بعد دم توڑنے لگا تو مولانا صلاح الدین احمد نے اسے سنبھالا دیتے ہوئے اسے خرید لیا۔ اس طرح تاجور مزید مالی نقصان سے بچ گئے۔ لیکن ادبی چاٹ کسے چین لینے دیتی ہے؟

شاہکار کا اجراء

۱۹۳۴ء میں انھوں نے ایک خوبصورت ادبی ماہنامہ ''شاہکار'' جاری کیا اس کا دفتر بیڈن روڈ لاہور پر شفاء الملک حکیم محمد حسن قریشی گجرات والے کے مطب سے آگے ایک گلی میں ہوتا تھا۔ علامہ تاجور دفتر کے بالائی حصے میں رہتے تھے۔ ان دنوں وہ دیال سنگھ کالج میں پروفیسر تھے۔

پنڈت میلا رام وفا ان کے بہترین دوست تھے۔ دونوں میں اس قدر بے تکلفی تھی کہ تاجور ''اوئے دہقانی'' اور پنڈت وفا ''اوئے مولوی'' کہہ کر مخاطب ہوتے تھے۔

ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ ماہ جنوری ۱۹۴۱ء میں انھوں نے اپنی مختصر داستان حیات لکھتے ہوئے کہا ''کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں قدرت نے مجھے اردو کے جنون خدمت میں مبتلا کر

دیا۔ اردو زبان ادب کی راہ میں اپنا ذاتی سرمایہ تیس ہزار روپیہ کاروباری آمدنی اپنی جوانی و طاقت اور متعلقین کا حال و مستقبل سب کچھ نثار کر دیا۔'' (ماہنامہ نگار لکھنؤ کا محولہ شمارہ راقم کے کتب خانے میں محفوظ ہے) انھوں نے دوسروں کا کلام بہ اہتمام شائع کیا لیکن ان کا مجموعہ کلام شائع نہ ہو سکا۔

کلام کا چوری ہونا

امرتسر کا یادگار مشاعرہ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر پینڈرل مون کی صدارت میں پرل ٹاکیز (موجود چترا ٹاکیز) کے وسیع و کشادہ ہال میں ہوا تھا۔ اس مشاعری کی روداد ریاض قریشی نے ایک کتاب بعنوان ''بہارستان'' میں قلمبند کی تھی۔ اس کتاب میں مولانا تاجور لکھتے ہیں۔ ''ایک مجموعے کے گم ہونے کا افسوس ہے غالباً کسی شاگرد کی ''سعادت مندی'' اس سرقے کی مرتکب ہوئی۔ اس مجموعے کے گم ہو جانے سے میری ہمت کی شکست ہوگئی اور پھر کبھی میں نے اپنے کلام کی فراہمی کی جانب توجہ نہیں کی۔

میں اپنے دامن کی دھجیوں کے نقوش پا کی تلاش میں ہوں
میرے گریباں میں ماہپاروں کی یاد سی رہ گئی ہے

اعتراف قابلیت

وہ بلند پایہ علمی وادبی شخصیت تھے ان کی کئی کتابیں لندن یونیورسٹی کے آنرز ان اردو کلاس کے کورس میں شامل رہیں اور بعض دوسری کتابیں الہ آباد اور مدراس یونیورسٹیوں میں بطور نصاب شریک رہیں۔ حکومت انگلشیہ نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ان کے استاد محی الدین وزیر تعلیم پنجاب نے ان کی عزت کی اور دعوت طعام دی۔ ایک سرکاری ملازم شاعر تخلص رکھتے تھے۔ انھوں نے طنزاً کہا:

نہ کسی کو شعر سے اُنس ہے نہ کسی کو فن شعر سے

دیکھ آئے ہیں تمھارا وہ نجیب آباد ہم

علامہ تاجور نے اس شعر کے جواب میں کہا:

اے ناصیہ فرسائے در دولت حکام
ارباب نیابت کا چلن اور ہی کچھ ہے

تاجور نے اس خوبصورت شعر میں جو گالی دی اس کا جواب نہیں۔ یعنی کہہ دیا کہ ''حرامی'' ہو۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی نہ وہ بدلے
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں

سبب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میرے رونے کا
الٰہی ساری دنیا کو میں کیوں کر راز داں کر لوں

مٹا نہ مجھ کو محبت کی خود فراموشی
کہ اپنے بھولنے والے کی یادگار ہوں میں

اف وہ نظر کہ سب کے لیے دل نواز ہے
میری طرف اٹھی ہے تو تلوار ہو گئی

☆☆☆

مولوی انشاء اللہ خان

ایڈیٹر ''اخبار وطن'' لاہور کی صحافتی خدمات

مولوی انشاء اللہ خان وطن پرست اخبار نویس تھے۔ جیسا کہ ان کے اخبار کی پیشانی پر چھپا عربی مقولہ مظہر ہے۔

''حب الوطن من الایمان'' وطن کی محبت ہی میرا ایمان ہے۔

اخبار کا سالانہ چندہ والیان ریاست سے ۵۰ روپے، امراء روساء سے ۳۰ روپے، معاونین سے ۴ روپے اور طلباء سے تین روپے لیا جاتا تھا۔

اخبار وطن میں علمی وادبی سرگرمیوں کی خبریں بھی شریک کی جاتی تھیں۔ اس لیے یہ طلباء میں بھی مقبول تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا تو کئی لوگوں نے اعتراضات کیے کہ بعض الفاظ کا ترجمہ غلط ہوا ہے۔ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر 'کرزن گزٹ' دہلی نے سخت تنقید کرتے ہوئے شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کو 'دہقان' قرار دیا تو ۳ رجنوری ۱۹۰۲ء کے وطن میں مولوی انشاء اللہ نے لکھا کہ:

''ڈپٹی نذیر احمد عربی کے فاضل عالم ہیں۔ معلوم نہیں مرزا حیرت نے کس عربی درس گاہ سے عربی پڑھی ہے؟ یاد رہے کہ ڈپٹی نذیر احمد جناب شاہد احمد دہلوی ایڈیٹر ساقی کے دادا تھے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء کے شمارے کا ایک اقتباس ہے۔'' امپیریل گزیٹر آف

انڈیا کی ترمیم کے لیے جس ضخیم کتاب قاموس ہندوستان کو سر ہینز نے تالیف کیا تھا مسٹر کاٹن ایڈیٹر اخبار اکاڈمی مقرر ہوئے ہیں۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۲ء کے وطن میں قحط کی بابت خبر ہے:

''مسٹر واچا صدر نیشنل کانگریس کی تقریر سے معلوم ہوا ہے کہ قحط آہستہ آہستہ ختم ہوا ہے۔ پچھلی بارش سے جو عمدہ فصل ہوئی ہے اس نے ہماری حالت کو بہت بہتر بنایا ہے۔ سرکار نے انتظام قحط پر ۲۵ کروڑ روپے خرچ کیے مویشیوں کی تعداد میں کمی ہوگئی ہے اسے پورا کرنے میں بھی کچھ زمانہ لگے گا۔'' ایک خبر ہے کہ:

راجہ صاحب سوکیت سے بقول ٹربیون کمشنر صاحب جالندھر اس لیے خفا ہو گئے ہیں۔ راجہ صاحب نے ایک ملزم کو صاحب موصوف کی سفارش پر رہا نہ کیا تھا۔'' خبروں کے حوالے دینے کا مقصد اس زمانے کے حالات کا عکس پیش کرنا ہے اس سے محققین کو بھی بڑی مدد مل سکے گی۔

۱۴ رفروری کے 'وطن' کی خبر ہے:

''لاہور میں آج کل گوالیار سے ایک موسیقی دان بالا صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں جن کے کمالات کا سب نے اعتراف کیا ہے۔''

راقم نے مولوی صاحب ممدوح پر جو تحقیقی مقالہ قلمبند کیا ہے وہ بے حد طویل ہے۔ بین السطور اس کی تلخیص ہی پیش کی گئی ہے۔ شمارہ بابت ۲۲ راگست ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۳ پر شاعر مشرق علامہ اقبال کی بابت ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے ''ایک فخر پنجاب فلسفی و شاعر'' جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:

''ملک میں بہت کم علم دوست ہوں گے جو اس وقت ہمارے نوجوان ہم وطن شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر فلاسفی وانگلش گورنمنٹ کالج لاہور کی جودت طبع اور قادر الکلامی کے قائل نہ ہو چکے ہوں۔ ان کی علمی وشاعرانہ زندگی کا تذکرہ لکھنؤ کے مشہور ماہوار رسالہ ''خدنگ نظر'' کے مردم شناس اور سخن فہم ایڈیٹر لالہ نوبت رائے نظر نے اور شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر 'مخزن' نے باصرار تمام لکھوا کر حال میں مع ان کی عکسی تصویر

کے شائع کیا ہے۔ یہ تذکرہ خواہ کیسے ہی سیدھے سادے اور عام مروج پیرایہ میں لکھا جاتا۔ اس کے ہیرو کی فلسفیانہ نازک خیالیوں اور شاعرانہ بلند پروازیوں کی داستان خود بخود اس میں ایک خاص دل فریبی پیدا کر دیتی۔ لیکن لائق نویسندہ نے اس پر اکتفانہ کر کے تذکرہ نویسی کے میدان میں ایک نئی جدت اختراع کی ہے اور ایسے طریق سے اپنے دوست کو سخنوران عالم سے روشناس کرایا ہے جس کی مثال شاید ہی ہماری زبان کے لٹریچر میں ملے۔......

...... چند سال ہوئے لاہور میں ایک 'بزم مشاعرہ' قائم تھی اور پنجاب کے اکثر نامور شعراء اس میں غزلیں کہہ کر لاتے تھے اور داد سخن پاتے تھے۔ پہلے تلامذہ غزلیں پڑھتے تھے۔ پھر استادوں کی نوبت آتی تھی۔ وہ بھی حریفوں کو پہچانتے تھے اور باہمی اشارہ کنایہ سے رک نہ سکتے تھے۔ یہ دل لگی شاعری کو تو ڈبو رہی تھی مگر مشاعرہ کے لیے باعث فروغ تھی۔ اچانک طلباء کے گروہ سے ایک نوجوان اٹھا۔ عمر بیس سال سے کچھ متجاوز ہوگی۔ سیدھا کرسی کی طرف بڑھا اور یہ مطلع پڑھا۔

تم آزماؤہاں کو زباں سے نکال کے
یہ صدقے ہوگی میرے سوال وصال کے

مطلع کا پڑھنا تھا کہ کئی سخن آشنا کان متکلم کی طرف لگ گئے۔ مشاعرے میں ایک طرف سے آواز آئی۔

"پہلے حضت کی تعریف تو فرمایئے" نوجوان شاعر نے کہا۔ لیجیے میں خود عرض کیے دیتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ خاکسار کو 'اقبال' کہتے ہیں اور یہی میرا تخلص ہے۔ سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں اور یہاں کے سرکاری کالج میں بی اے کی جماعت میں پڑھتا ہوں حضرت داغ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ یہاں کے کسی بزرگ سے نہ خصوصیت ہے نہ خصومت۔ چند شعر لکھ کر لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پڑھ کر سناؤں۔

مختلف آوازیں آئیں۔ فرمایئے۔ فرمایئے۔ نوجوان شاعر نے غزل کے باقی شعر پڑھنے شروع کیے۔ قریب قریب ہر شعر پر بے ساختہ داد ملی۔ یہاں تک کہ اس شعر پر پہنچا:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

مرزا ارشد گورگانی دہلوی بھی تشریف رکھتے تھے۔ بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھے اور بولے:

''میاں اقبال اس عمر میں اور یہ شعر'' واقعی اس رنگ کی کہنے والے کی عمر اور وضع سے توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

مقطع یہ تھا:

اقبالؔ لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

شاعر نے دہلوی اور لکھنوی پارٹی کے جھگڑے پر اپنے خیالات کا اظہار نہایت خوبی سے کر دیا۔

پہلا عام جلسہ جس میں دوستوں کے اصرار نے اقبال کو پبلک کے روبرو کھینچ کر بلایا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ بابت ۱۸۹۹ء تھا۔ جہاں اس نے 'نالہ یتیم' کے عنوان سے دلگداز نظم پڑھی۔ یہ نظم ایسی مقبول ہوئی کہ جلسے میں بار بار پڑھنے کی فرمائش ہوتی تھی اور اس پر یتیم خانہ کے لیے چندے کی بارش ہوتی جاتی تھی۔...... لاہور میں کوئی بھی عظیم الشان جلسہ بغیر نظم اقبال کے مکمل نہیں ہوتا تھا۔ اپریل ۱۹۰۱ء سے رسالہ 'مخزن' کے اجراء نے اقبال سے اخبار بیں دنیا کو شناسا کر دیا۔

ہفتہ وار وطن لاہور کی اسی اشاعت کے مذکورہ کالم میں علامہ اقبال کے حسب و نسب کی بابت لکھا ہے:

''شیخ صاحب کاشمیری الاصل ہیں اور ان کا کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق ہے۔ خاندان کی وہ شاخ جس میں شیخ صاحب ہیں دو سو سال ہوئے مسلمان ہو گئی۔ گوت ان کی سپرو ہے۔''

اخبار وطن لاہور کے مندرجات میں علامہ اقبال کے بارے میں نہایت قیمتی

معلومات بالتفصیل شامل ہیں۔ جو محققین کے لیے نہایت کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔
صحیفہ نگاری کے شانہ بشانہ مولوی صاحب نے شلگر کی سلائی مشینیں اور جرابیں بننے کی مشین
بھی ولایت سے درآمد کرنے کا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ اس کا انتظام حمیدیہ ایجنسی کو
تفویض تھا جو ان کی ہی ملکیت تھی۔

وطن نہایت کثیر الاشاعت ہفتہ وار اخبار تھا۔ چونا منڈی لاہور میں جہاں ایک
شاندار عمارت میں اس کا دفتر تھا وہیں وطن ڈاک خانہ بھی تھا۔ مولوی صاحب ۱۹۲۸ء تک
مسلسل ادب صحافت کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اسی سال ان کا انتقال ہوگیا تو
۱۹۳۰ء میں اخبار وطن بھی ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

☆☆☆

لالہ دینا ناتھ

گوجرانوالہ (حال پاکستان) کی مردم خیز سرزمین نے جہاں مولوی محبوب عالم، مولانا ظفر علی خاں، مہاشہ کرشن، لالہ جگت نارائن، دیوان سنگھ مفتون، یوسف ظفر اور ن۔ م۔ راشد وغیرہ شخصیتیں پیدا کیں وہیں بابو دینا ناتھ کا نام بھی ادب واحترام سے لیا جاتا ہے جو ایک بلند پایہ انقلابی جرأت منداور اصلاح پسند اخبار نویس تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۷۹ء میں تحصیل حافظ آباد کے گاؤں چبہ سندھواں میں ہوئی تھی۔ شیر خوار ہی تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ والدہ نے ان کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ وہ مڈل کے امتحان میں اول درجہ میں پاس ہوئے اور مشن ہائی اسکول گوجرانوالہ میں داخل ہو گئے۔ زمانہ طالب علمی میں انھیں اخبارات کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ رفتہ رفتہ انھیں اخبارات کے لیے لکھنے کا بھی لپکا لگا تو انھوں نے جالندھر کے ہفت روزہ ''بھارت سیوک'' کے لیے اصلاحی وفلاحی مضامین لکھنے شروع کیے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے انھیں مضمون نویسی سے روکا لیکن بابو دینا ناتھ اپنے عزم وارادے پر قائم رہے تو ہیڈ ماسٹر نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے سخت رویہ اختیار کیا۔ غیور طالب علم نے گوجرانوالہ کے مشنری اسکول کو چھوڑ کر وزیر آباد کے اسکول میں داخلہ لے لیا۔ جہاں وہ اپنی قابلیت کی بدولت انٹرنس کے امتحان میں اول رہے۔ بعد ازاں وہ ڈی اے وی کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ لیکن مالی مشکلات سد راہ ہوئیں تب انھوں نے ملازمت کرنے کی ٹھانی۔ ۱۹۰۰ء میں انھوں نے ''پیسہ اخبار'' میں ملازمت اختیار کر لی۔ مولوی محبوب عالم مالک وایڈیٹر پیسہ اخبار ان کی ذہانت ومحنت سے

بے حد متاثر ہوئے انھوں نے اخبار 'انتخاب لاجواب' کا قلمدان ادارت ان کے سپرد کر دیا۔ 'پیسہ اخبار' دفتر میں کام کرتے ہوئے انھوں نے کئی تجربے حاصل کیے اور اخبار نویسی کی مبادیات اور اسرار و رموز سے کماحقہ واقف ہو گئے۔

اس دوران انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام مسلسل جاری رکھا اور کئی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ مولوی محبوب عالم مردم شناس تھے انھوں نے جب ان کی صلاحیتوں کا قیاس کیا تو ان کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ اس حوصلہ افزائی اور مالی اعانت سے بابو دینا ناتھ کے شوق کو گویا تازیانہ لگا۔ وہ پہلے سے زیادہ توجہ و انہماک سے فرض منصبی ادا کرنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی ایشر داس کے نام حافظ آبادی پریس جاری کر دیا اور ایک ناول ایجنسی بھی قائم کر دی۔ اس زمانے میں عام و خاص میں ناول بینی کا بے حد شوق پایا جاتا تھا۔ کیونکہ تفریح طبع اور تضیع اوقات کا یہ سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ بابو دینا ناتھ نے عوامی تفریح کے لیے متعدد ناول لکھے جو مقبول ہوئے۔ اس سے ان کی آمدنی میں بھی خوب اضافہ ہوا۔ جون ۱۹۰۴ء میں وہ ''دفتر پیسہ اخبار'' سے علیحدہ ہو گئے اور اسی سال ماہ اگست میں انھوں نے اپنا ذاتی اخبار ہفتہ وار ''ہندوستانی'' جاری کیا۔

اگرچہ ابتدا میں اخبار کی اشاعت محدود تھی۔ لیکن جب اس میں اصلاح قوم، قوم پرستی اور حب الوطنی کے مضامین شائع ہونے لگے تو اس کی تعداد تیرہ ہزار تک جا پہنچی جو ملک بھر میں چھپنے والے اخبارات سے کہیں زیادہ تھی۔ بابو دینا ناتھ نے ''انتخاب لاجواب'' کی تقلید میں ایک ماہنامہ دلچسپ بھی جاری کیا۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ اسے بند کرنا پڑا۔ بعد ازاں انھوں نے ایک ادبی سیاسی و معاشرتی رسالہ ''ہمالہ'' جاری کیا۔ یہ بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔

لالہ پنڈی داس کا اخبار انڈیا گوجرانوالہ لالہ دینا ناتھ کے ہندوستان اسٹیم پریس میں چھپنے لگا تو ۲۵ را پریل ۱۹۰۷ء کو اخبار ''انڈیا'' کی اشاعت کے الزام میں ماخوذ ہو گئے۔ کیونکہ اس میں ایک ''باغیانہ'' مضمون شائع ہوا تھا۔ حکومت پنجاب نے لالہ پنڈی داس ایڈیٹر اخبار ''انڈیا'' اور لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار 'ہندوستان'' اور مالک ہندوستان اسٹیم

پریس کے خلاف بغاوت ہند اور بلوہ کے مقدمات درج کر کے وارنٹ گرفتاری جاری کردیے۔عدالت میں مقدمے کی سماعت ہوئی تو عدالت میں ایک گواہ نے بیان دیا کہ اخبار انڈیا میں شائع ایک مضمون میں ہندوستان کی دیسی فوج کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا اور برطانوی سرکار کو گالیاں دے دے کر کوسا گیا ہے۔مقدمہ بغاوت ہند ہذا میں ہندوستان اسٹیم پریس اور اخبار ہندوستان کے ملازم بطور گواہ طلب کیے گئے۔ جنھوں نے لالہ دینا ناتھ اور لالہ پنڈی داس کو وطن دشمن باغی گردانتے ہوئے ان کے خلاف شہادتیں دیں۔

لالہ دینا ناتھ کے ایام اسیری کے دوران اخبار ہندوستان چودھری رام بھج دت صاحب کی تحویل میں آ گیا تو اس کی پالیسی میں تبدیلی واقع ہوگئی جس کے بارے میں مولوی سراج الدین نے اپنے ہفتہ وار اخبار زمیندار کرم آباد کی اشاعت میں اس طرح شکوہ کیا۔

لالہ دینا ناتھ ۸ فروری ۱۹۰۹ء کو رہا ہونے کے بعد حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ بعد ازاں انھوں نے ۲۲/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو ہندوستان کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لیا۔

ادب، سیاست، ثقافت اور معاشرت کے جو اثرات سماج پر منعکس ہوتے ہیں وہ اس زمانے کے اخبارات کے سیاق وسباق میں بآسانی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

ہمیں اسی زمانے کے تناظر سے ان حالات کا مزاج معلوم کرنا چاہیے جو اس عہد میں رونما ہو کر اخبارات کی زینت بنا۔ کیونکہ قدیم اخبارات ہی مرورِ ایام کے عینی شاہد ہوتے ہیں اور ان کے حوالوں میں معتبریت ہوتی ہے۔ راقم کے زیرِ نظر اخبار ہندوستان لاہور کے جو شمارے ہیں وہ بے حد خراب وخستہ ہیں۔

منشی محمد دین فوق ایڈیٹر کشمیر میگزین لاہور کے بیان کے مطابق ہندوستان یقیناً پہلا اردو اخبار ہے جو تمام ہندوستان میں کثیر الاشاعتی پر ناز کر سکتا ہے۔ اخبار ہندوستان کی پالیسی ابتدا میں غیر ذمہ دارانہ تھی لیکن اخبار ''پنجابی'' کے مقدمہ کے بعد اس کی روش بدلنی شروع ہوگئی اور یہ اخبار ہندوؤں کا آرگن بن گیا۔ فی الواقع انقلاب پسند لالہ دینا ناتھ

متعصب اخبار نویس نہیں تھے وہ فقط معاشرے میں اصلاح وتطہیر چاہتے تھے۔ لیکن ان کا یہ مقصد اب شدت اختیار کر چکا تھا۔ اسی لیے ان کے معاصرین انھیں ہندو ذہنیت کے داعی قرار دینے لگے تھے جبکہ یہ محض اتہام تھا۔ ان کے حریف مہاشہ کرشن جوان دنوں رادھا کرشن بی اے ایڈیٹر پرکاش لاہور کے نام نامی سے جانے جاتے تھے لالہ دینا ناتھ کی نکتہ چینی کرتے تھے اور لالہ دینا ناتھ آریہ سماج کے ترجمان ونقیب اخبار پرکاش لاہور میں چھپے مضامین کو جو اکثر تبلیغی ہوتے تھے ہدف قلم بنایا کرتے تھے۔ اس طرح 'ہندوستان' اور پرکاش کے درمیان معاصرانہ چشمک ہوتی رہتی تھی۔ بلکہ اخبار 'پنجابی' لاہور اور 'جھنگ سیال' بھی اس کشمکش میں شامل تھے۔ ان ہی ایام میں ہفتہ وار زمیندار کرم آباد سے لاہور منتقل ہو کر مولانا ظفر علی خان کی ادارت میں شائع ہونے لگا تھا۔ مولوی سراج الدین نے اپنے سعادت مند صاحبزادے مولانا ظفر علی خان کو نصیحت کی تھی کہ وہ میری موت کے بعد اخبار 'زمیندار' کی ذمہ داری کو سنبھالیں۔ چنانچہ مولانا ممدوح نے اپنے والد کی نصیحت ووصیت کے بموجب 'زمیندار' کی اشاعت باقاعدہ جاری رکھی۔

جب پنجاب سرکار نے مولانا ظفر علی خان کے ہفتہ وار زمیندار سے دو ضمانتیں طلب کرنے کا حکم دیا تو بابو دینا ناتھ نے ہفتہ وار ہندوستان لاہور کی اشاعت بابت ۲۲ر مارچ ۱۹۱۲ء میں لکھا:

''اخبار زمیندار کے مالک و پبلشر مولوی ظفر علی خان کو ڈپٹی کمشنر لاہور کی طرف سے حکم پہنچا ہے کہ وہ پندرہ روز کے اندر ہزار ہزار روپیہ کی دو ضمانتیں داخل کریں۔ حکم کا لب لباب یہ ہے کہ ایک ہزار روپیہ کی ضمانت ہفتہ وار 'زمیندار' کے متعلق داخل کی جائے کیونکہ پچھلے سال جب اس کے پبلشر نے اپنے اخبار کو کرم آباد سے لاہور میں تبدیل کیا تو اس وقت اس سے ضمانت اس بنا پر نہیں لی گئی تھی کہ اخبار پرانا ہے اور اس میں صرف زمینداری مضامین چھپتے ہیں۔ لیکن صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور کی رائے میں زمیندار کی روش بدل کر پولیٹکل ہو گئی ہے اور حال میں اس میں چند نہایت قابل اعتراض غیر معتدل مضامین نکلے ہیں۔ اس لیے اس سے ایک ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی جاتی ہے۔

۲۲ مارچ ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے صفحہ ۱۳ پر اخبار 'زمیندار' کی ضمانت کے زیرِ عنوان لکھا گیا کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ شکر کی شام کو اخبار زمیندار کے حق میں جلسہ ہوا اور سنیچر کی شام کو جو پرچہ شائع ہوا اس میں اس نے یہ خبر سنائی کہ اس سے دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی ہے۔ جلسہ شکر کی شام کو منعقد ہوا اور اس کے لیے اشتہارات شکر کی صبح کو بانٹے گئے تھے۔ لیکن ضمانت کا آرڈر شکر کی دوپہر کو بذریعہ رجسٹری موصول ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمیندار کی ضمانت کی افواہ کئی روز سے لاہور میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے پیدا ہونے والی تشویش اس جلسہ کا موجب ثابت ہوئی تا کہ لاہور کی پبلک ''زمیندار'' کے ساتھ مجموعی ہمدردی کا اظہار کر کے جو کچھ اثر وہ حکام کی رائے پر زمیندار کے حق میں ڈال سکتی ہے ڈالے۔ لیکن ادھر جلسہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ادھر ضمانت کا آرڈر ڈاک میں پڑ چکا تھا۔

زمیندار اخبار ہفتہ وار تھا۔ بعد ازاں روزانہ ہو گیا۔ چنانچہ اسی بنا پر اخبار ہذا سے ضمانت طلب کی گئی تھی۔ جس کا ذکر لالہ دینا ناتھ نے اپنے اخبار ہندوستان میں تفصیل کے ساتھ کیا اور رواداری کا ثبوت فراہم کیا۔ شیخ محمد اقبال کی ایک نظم بھائی پرمانند کے اخبار 'ہندو' لاہور کے رام نمبر میں خصوصی طور پر شائع ہوئی جس کا ایک شعر تھا:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند

ہفتہ وار اخبار 'وطن' لاہور کے ایڈیٹر مولوی انشاء اللہ خان نے اقبال کے اس شعر پر سخت اعتراض کرتے ہوئے اپنے اخبار میں کڑی تنقید کی اور لکھا کہ یہ شعر صاف بتا رہا ہے کہ شیخ اقبال راجہ رام چندر جی کو اپنے وقت کا امام سمجھتے ہیں۔ راجہ رام چندر جی ہندوستان کے جہاں سات کروڑ مسلمان موجود ہیں حاضر مستقبل امام بتائے جاتے ہیں۔

لالہ دینا ناتھ نے مولوی انشاء اللہ خان کے اس منافرت انگیز اور تعصب آمیز اعتراض کا جواب دیا کہ اخبار 'زمیندار' نے بھی شیخ اقبال کے اس شعر کی تعریف کی ہے۔

اخبار ہندوستان لاہور کی ۲۲ مارچ ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں سلام کے مقدمہ کی بابت خبر

دی کہ چنگلی پٹ مدراس کے جوائنٹ مجسٹریٹ مسٹر جیکسن نے اپنے اجلاس سے ایک سات سالہ لڑکے کو پانچ روپیہ جرمانہ کی سزا اس بنا پر دی کہ لڑکے نے مسٹر جیکسن کو ایسے طریقے سے سلام کیا جس سے ان کی توہین ہوئی۔ بعد میں مسٹر جیکسن نے خود ہی جرمانہ واپس کر دیا۔

۱۷ رمئی ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے صفحہ نمبر ۷۳ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ لالہ جسونت کا خط۔ ناکام اخبار نویس لالہ جسونت رائے سابق مالک اخبار 'پنجابی' کا ایک خط اپنے اخبار میں چھاپ کر شریمان پنڈت جی (رام بھج دت) کے خلاف سخت بدگمانی لوگوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

اس سے جہاں اخبار نویس کی بددیانتی ظاہر ہے وہاں پبلک کو معلوم ہونا چاہیے کہ لالہ جسونت رائے بھی سخت بدنیت آدمی ہیں۔ اس خط میں پنڈت رام بھج دت پر یہ دو الزام لگائے گئے ہیں۔ (۱) پنڈت جی نے انگریزی 'ہندوستان' جاری کرنے کا اعلان کیا۔ جس کی سالانہ قیمت تین روپے رکھی۔ اعلان کے جواب میں تین چار سو خریداروں کا روپیہ آ گیا جو ایک ہزار سے زیادہ تھا مگر اخبار کے چند شمارے شائع کر کے اسے بند کر دیا گیا اور باقی روپیہ خریداروں کو واپس نہیں کیا۔

(۲) پنڈت جی نے لالہ دیناناتھ اصلی ایڈیٹر کی رہائی کی خوشی میں ''ہندوستان'' کو ایک لاکھ کی تعداد میں شائع کرنے کا اعلان کیا جس میں یہ بھی لکھا کہ جو صاحب دو پیسہ کا ٹکٹ بھیجیں گے ایک پرچہ ہندوستان کا ان کے نام روانہ کیا جائے گا۔ پنڈت جی کے پاس ۸۰ ہزار آدمیوں کے ٹکٹ آئے گویا اڑھائی ہزار روپیہ لوگوں کا آپ کے پاس آ گیا مگر آپ نے نہ لاکھ نمبر شائع کیا اور نہ لوگوں کے ٹکٹ واپس کیے۔

الزام کی اصلیت

یہ الزام اول پنڈت جی پر لگ ہی نہیں سکتا کیونکہ آپ نہ ہندوستان کے مالک ہیں نہ منتظم۔ لیکن جو بدگمانی الزام کی بدولت پبلک میں پنڈت جی کی نسبت پھیل سکتی ہے اس کو روکنے کے خیال سے اصلیت پبلک کے روبرو پیش کی جاتی ہے۔ اس چٹھی کو پڑھ کر کسی

شخص کو یہ یقین کرنے میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ لکھنے والا لالہ جسونت رائے نہیں بلکہ کوئی اور بزرگ ہیں۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چٹھی میں جو نام لالہ جسوت رائے کا شائع ہوا ہے وہ موزوں نہیں ہے۔ لالہ دینا ناتھ کے ایام اسیری میں ان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ملازموں نے امانت میں خیانت کی اور رقوم خرد برد کرنا شروع کر دی۔ اخبار 'ہندوستان' کی اشاعت بابت ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۷ پر بابو دینا ناتھ رقم طراز ہیں:

دفتر ہندوستان اور پریس کے ملازموں کی بے ایمانی کے متعلق سنیے۔ ملازم نہایت بدنیتی کرنے لگے۔ ان کی طرف سے اخبار ہندوستان کو برباد کرنے کی بہت سی فکر و کوشش کی گئی۔ بعض ایڈیٹروں نے اخبار میں مفسدانہ مضامین لکھ کر ان ہی مضامین کو پنڈت جی کے خلاف پیش کیا۔ دفتر کے متعلق منیجروں نے خریداروں کی چٹھوں کو کم کر دیا اور ناظرین ہندوستان کو یاد ہوگا کہ پنڈت جی (رام بھج دت) نے ان تمام برباد کن باتوں سے تنگ ہو کر اپنے ناظرین سے اندرونی اور بیرونی مخالفوں کے متعلق شکایت بھی کی۔ پنڈت جی کو تین چار سو روپیہ ماہوار نقصان اپنی گرہ سے پریس اور اخبار میں ڈالنا پڑا۔ پندت جی کے ولایت چلے جانے کے بعد اس قدر غبن ہوئے اور چوریاں ہوئیں کہ تنگ آ کر بذریعہ تار ولایت سے پہلے واپس آنے والے جہاز کے ذریعہ پنڈت جی کو واپس بلایا گیا۔ پنڈت جی نے کئی ملازمین دفتر اخبار اور پریس پر فوجداری مقدمات دائر کیے۔ دو شخص جن کا غبن سینکڑوں کا نہیں بلکہ ہزاروں روپیہ کا تھا، فرار ہو گئے اور جن ملازموں نے پریس سے کاغذ وغیرہ چوری کیے تھے ان میں سے تین کو ایک ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

اس زمانے میں معاشرے میں کئی خرابیاں رونما ہو گئی تھیں جنھیں دور کرنے کے لیے رہنمایان قوم م نے ہر چند کوشش کی۔ لالہ دینا ناتھ بھی پیش پیش تھے اور اصلاح معاشرہ کے لیے سرگرم کار رہتے تھے۔ رائے صاحب دیوان امر ناتھ وزیر اعظم جموں و کشمیر کے

صاحبزادے دیوان بدری ناتھ پرائیویٹ سیکریٹری مہاراجہ صاحب کی شادی کی تقریب پر مختلف شہروں سے طوائفیں منگوائی گئیں تو لالہ دینا ناتھ نے اس بدعت کی سخت مخالفت کی۔

مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کے ہندوستان کے ''شذرات'' کے چیدہ چیدہ حوالے درج ذیل ہیں:

گزشتہ نمبر میں شریمان پنڈت رام بھج دت چودھری اپنی چٹھی بنام ایڈیٹر ہندوستان میں درخواست کر چکے ہیں کہ ہم اس بحث کا جلدتر خاتمہ کر دیں کہ آنے والی ہندو کانفرنس کا پردھان کون ہونا چاہیے۔

خود ہم بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ بحث مذکور کو طول دینے کے لیے مجبور نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے مضمون میں ہم نے اپنی طرف سے کسی ہندو لیڈر کے خلاف قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ قبل اس کے کہ ہم اصل معاملہ پر رجوع لائیں ہم اتنا عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم نے بحث چھیڑنے کے ساتھ ہی پنڈت رام بھج دت کا نام بھی ہندو کانفرنس کی پردھانی کے امیدوار کے طور پر پیش کیا تھا اور پنڈت جی کی قومی خدمات کی بنا پر اس اعزاز کا مستحق قرار دیتے۔ ہم نے بحث کے پہلے نمبر میں کسی ہندو لیڈر کی ذات پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا اور نہ ہمارا ارادہ تھا کہ پنڈت جی کے ساتھ کسی ہندو لیڈر کا مقابلہ کرایا جائے۔

ہم پر الزام ہے کہ ہم نے لالہ لاجپت رائے پر چھپے الفاظ میں حملہ کیا ہے اس لیے چودھری صاحب کے مقابلہ میں لالہ لاجپت رائے اور لالہ شادی لال کا نام پیش ہوگا۔

پنڈت جی جلاوطنی کی سفارش اور افواہ

ہم مجبور ہیں کہ اس بہتان کے متعلق چند ایک حالات لکھ کر پبلک کے سامنے پیش کریں۔ راولپنڈی کے معصوم اور نیک وکلاء کے خلاف مقدمہ سے تمام پنجاب ششدر اور حیران تھا کہ یکایک لاجپت رائے ۹ مئی ۱۹۰۹ء کو پکڑے گئے اس کے بعد اجیت سنگھ گرفتار کیے گئے اور دونوں برہما (برما) میں پہنچائے گئے۔ اس وقت چاروں طرف سے مخالفوں کے اخبار اور انجمنیں ہندوؤں کو غدار گورنمنٹ کا جانی دشمن اور سیاہ سے سازشوں کا بانی قرار

دے رہی تھیں علاوہ ان دو اصحاب (لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ) کے دوسروں کی جلا وطنی کی سفارش کر رہے تھے۔...... چالیس سر بر آوردہ ہندو اپنے دستخط کر کے ایک میمورنڈم گورنمنٹ پنجاب میں بھیج چکے تھے۔

۲۸ جون ۱۹۱۲ء کی اشاعت کا اداریہ ہے۔ ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔''

ہندوستان میں میری چند روزہ علیحدگی کے ایام میں جو مضامین ہندو کانفرنس کی پردھانی کے سلسلے میں شائع ہوئے اور ان مضامین کے جو جوابات ہندو پریس میں نکلے ان پر اظہار افسوس کرنا جبکہ میں ہندوستان کا ایڈیٹوریل چارج لے کر اخباری برادری میں دوبارہ شمولیت کا فخر حاصل کرتا ہوں۔ میرا پہلا فرض ہے کہ لالہ لاجپت رائے جی پنڈت رام بھج دت اور لالہ شادی لال اور لالہ جسونت رائے ایم اے کے خلاف جو کچھ لکھا گیا اس کی تفصیل میں جانا ایک رنج دہ قصہ کو تاہ کرنا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کی نسبت جو شخص کہتا ہے کہ انھوں نے پبلک روپیہ کی امانت میں خیانت کی وہ یا تو ناواقف ہے یا بدنیت اور کمینہ۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنی محنت کی کمائی سے ہزاروں روپے آج تک پبلک کے کاموں میں دیے۔ اس لیے ان پر جو الزام لگایا گیا وہ ایک ایسا بہتان تھا جس پر راقم کو افسوس ہے۔

۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے صفحہ ۸ کے مندرجات میں ہے کہ ہندو کانفرنس کی پردھانی کے سوال پر ہماری رائے ہے کہ پنڈت رام بھج دت چودھری کو پردھان بنایا جائے۔ ایک دوسری خبر میں لکھا ہے۔ پنڈت جی کی حمایت میں ایک جلسہ ہوا۔

دوآبہ برہمن سدھار سبھا جالندھر شہر کا پبلک جلسہ جو ۱۹ مئی کی شام بروز اتوار مندر نوہریاں میں زیر صدارت رائے صاحب پنڈت دیوی چند پبلک پراسیکیوٹر (وکیل سرکار) و وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی آنے والی ہندو کانفرنس کے پردھان پد پر وچار کرنے کے لیے منعقد ہوا وقت مقررہ سے پہلے ہی شہر اور گرد و نواح کے برہمن جمع ہونے شروع ہو گئے۔''

اخبار ہندوستان لاہور کی اشاعت بابت ۲۸ جون ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۷ کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا ظفر علی خان کے اخبار ''زمیندار'' کی مدد کے لیے ایک ضمانت فنڈ

کھولا گیا جس میں سبھی اخبار نویسوں نے حسب استطاعت اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ لالہ بانکے دیال ایڈیٹر ہفتہ وار جھنگ سیال نے دس روپے دینے کا وعدہ کیا لیکن اخبار ''زمیندار'' سے واجب الوصول پانچ روپے وضع کر لیے۔ بانکے دیال اوباش قسم کا اخبار نویس ہے۔ جس نے فحاشی کو اپنا شکار بنا کر جھنگ سیال کو آلودہ کر رکھا ہے۔ اسی لیے لوگ بانکے دیال کو پھکڑ دیال کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

لدھیانہ کا اخبار ''آرمی نیوز'' جرأت اور ثقاہت کے لیے مشہور ہے۔ اس نے جھنگ سیال کے ہولی نمبر سے بدظن ہو کر لکھا کہ وہ شخص ہندو قوم کا دشمن ہوگا جو جھنگ سیال میں یہ لٹریچر پڑھنے کے بعد اس پرچہ کی سرپرستی کرے گا۔ جھنگ سیال کا ہولی نمبر پڑھنے کے بعد کوئی شخص اس اخبار کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ غلاظت کا ایک ڈھیر تھا جو جھنگ سیال نے ہولی نمبر کی شکل میں جمع کر دیا تھا۔ یا یوں کہیں کہ بانکے دیال کی ناپاکی طبع اور بد خلاقی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ اس پھکڑ کے خلاف ایک لفظ بھی زباں سے نکالنا اس کو گالیاں دینے کی دعوت دینا ہے۔ ''جھنگ سیال'' کے ہولی نمبر پر ریویو نہ کیا۔ مگر میری خاموشی ہی بانکے دیال کو اشتعال دلانے کے لیے کافی تھی۔ قارئین بتائیں کہ میں ہولی نمبر کا کیا ریویو کرتا۔ جبکہ اس میں کئی مذموم غزلیں تھیں۔

اخبار کی چار کاپیاں زیادہ بیچنے کی غرض سے اس قسم کا گندہ لٹریچر پبلک کے ہاتھوں پہنچاتا ہے۔ اخباری دنیا میں ایک انسان صورت شیطان سیرت شخص۔ اس نے میرے خلاف ''جھنگ سیال'' کے کالموں میں ایک آنریری ڈیٹکٹو کی طرح گورنمنٹ کو یقین دلانا چاہا ہے کہ اخبار ''ہندوستان'' ایک باغی اخبار ہے اس کی اشاعت ہزاروں تک اس لیے پہنچ گئی ہے کہ وہ باغیانہ مضامین چھاپا کرتا تھا۔ صوفی انبا پرشاد اور مسٹر ضیاء الحق ان مضامین کے لکھنے والے تھے۔ صوفی انبا پرشاد اور لالہ دینا ناتھ کی دوستی محض اس لیے تھی کہ دونوں باغیانہ جذبات رکھتے تھے۔

میں معزز ناظرین سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ اخبار نویسی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ ۱۹۰۷ء میں جس زمانہ کا ذکر لالہ بانکے دیال کرتا ہے۔ ''ہندوستان'' میں باغیانہ مضمون

چھاپنے کے جرم میں چیف کورٹ نے ہماری قسمت کا آخری فیصلہ کرنا چاہا تو کلارک صاحب چیف جج اور چندر چیڑ جی جج دونوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اخبار ''ہندوستان'' کی تحریریں ہمیشہ قانون کی حدود کے اندر ہی رہتی ہیں۔اس لیے ان کا کریڈٹ اور فائدہ دینا ناتھ کو ملنا چاہیے۔کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ جبکہ گورنمنٹ پنجاب کی سب سے بڑی قانونی عدالت ۱۹۰۷ء میں اخبار ہندوستان کی نسبت لائل اور قانون پسند ہونے کا فتویٰ دے چکی ہے اس کے خلاف ہرزہ سرائی کی جاتی ہے۔اخبار 'ہندوستان' کی تعداد اشاعت ان دنوں بارہ ہزار تک جا پہنچی تھی۔اس لحاظ سے یہ ملک کا واحد اردو ہفت روزہ تھا۔اور لالہ بانکے دیال ایڈیٹر جھنگ سیال رشک وحسد کی وجہ سے اخبار 'ہندوستان' کے خلاف خواہ مخواہ انگشت کرنے میں مصروف رہتا تھا۔اسی بنا پر لالہ دینا ناتھ نے اسے مسکت جواب دیا تھا۔

اخبار 'ہندوستان' اپنے وقت کا مشہور ہفت روزہ تھا جو ۱۹۴۲ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔افسوس! اس اخبار کے پرانے فائل ناپید ہیں۔میرے پاس صرف چند بوسیدہ کرم خوردہ شمارے ہیں جن کی روشنی میں مضمون ہذا قلم بند کیا ہے۔

☆☆☆

سردار امر سنگھ اور ''لائل گزٹ''

بیسویں صدی کے آغاز میں پنجاب کے دار السلطنت لاہور سے لا تعداد اردو اخبارات شروع ہوئے۔ان میں بعض وطن پرست تھے تو کئی فرنگی دوست۔ان میں لاہور سے چھپنے والا ہفت روزہ ''لائل گزٹ'' بھی قابل ذکر ہے۔جس کے مالک وایڈیٹر امر سردار امر سنگھ تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹ویں صدی کے اواخر میں پنڈی کھیپ ضلع کیمل پور (پاکستان) میں ہوئی تھی۔ والد گلاب سنگھ سری نگر میں حکومت جموں کشمیر کے ملازم تھے۔سردار امر سنگھ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کا میٹریکولیشن کا امتحان پاس کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا تھا کیونکہ اس پسماندہ علاقے میں تعلیم برائے نام تھی اور سردار امر سنگھ کے لیے یہ امر باعث فخر تھا کہ انھوں نے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کر کے پنڈی کھیپ کا نام روشن کیا۔انھوں نے مولوی شبیر احمد سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔صحافت کا شوق دامن گیر ہوا تو ترک وطن کر کے لاہور منتقل ہو گئے، جہاں انھوں نے ہسپتال روڈ پر اپنا لائل پریس قائم کر کے ہفتہ وار اردو اخبار ''لائل گزٹ'' جاری کیا۔اس ہفت روزہ کی اولیں اشاعت ۱۱ر جون ۱۹۱۱ء کو منظر عام پر آئی۔جیسا کہ اخبار کے نام سے مترشح ہے اخبار ہٰذا انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتا تھا۔

۲۵ر جون ۱۹۱۱ء کو اخبار لائل گزٹ لاہور نے جارج پنجم کے جشن تاجپوشی کی تقریب پر اپنا کارونیشن نمبر شائع کیا جس کے اداریے میں انگریز حاکم جارج پنجم کو پرزور مبارکباد اور تہنیت نامے پیش کیے گئے۔چونکہ اخبار ''لائل گزٹ'' کو مہاراجہ پٹیالہ کی مالی

امداد اور اخلاقی حمایت حاصل تھی، اس لیے اخبار ہذا نے لاہور سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامے ''ٹربیون'' کی حرف گیری کی اور ریاست پٹیالہ کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کے زیر عنوان اداریہ لکھ کر اپنی وفاداری کا ٹھوس ثبوت فراہم کیا۔

۱۰ر دسمبر ۱۹۱۱ء کے اخبار لائل گزٹ میں مہاتما منشی رام آریہ سماجی رہنما کے بارے میں خبر چھپی۔

''مہاتما منشی رام نے اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ تمام دنیاوی تعلقات چھوڑ کر اپنی بقیہ زندگی اپنے جنم کو سپھل بنانے میں گزاریں گے اور وہ کسی سماج میں لیکچر نہیں دیں گے اور نہ ہی اخبار ایڈٹ کریں گے۔''

مذکورہ بالا اخبار کی اسی اشاعت میں خزانہ افسر امرتسر کی خبر ہے کہ:

''افسر خزانہ امرتسر نے اعلان کیا ہے کہ ۱۹۳۵ء کے روپیہ کو اکثر دکان دار لینے سے انکار کرتے ہیں کہ یہ روپیہ اب سرکاری خزانہ کی حیثیت سے رائج نہیں ہے حالانکہ یہ روپیہ سرکاری سکہ میں داخل ہے، مروج ہے۔ اس لیے جو کوئی شخص اس کے لیے انکار کرے گا اسے چھ ماہ قید اور پچاس روپے تک جرمانہ کی سزا ہوگی۔

۲۸ر جنوری ۱۹۱۲ء کے لائل گزٹ لاہور میں جو خبر درج ہے وہ یہ ہے:

''امرتسر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ شہر کے بارونق بازاروں اور سڑکوں سے رنڈیوں کو اٹھایا جائے۔''

یاد رہے کہ اس زمانے میں کٹڑہ کنہیا، مغل بازار (حال پرتاپ بازار) اور رام باغ طوائفوں کے اڈے تھے۔ لیکن کٹڑہ کنہیا میں جسم فروش طوائفوں کے بجائے رقاصائیں دشمنِ تمکین وہوش ہوا کرتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں ترکی اور بلقان کے درمیان خوں ریز جنگ ہو رہی تھی۔ ہندوستانی مسلمانوں نے ترکوں کی امداد کے لیے روپیہ بھیجا۔ علاوہ ازیں ترکی کو دو کروڑ روپیہ بطور قرض دینے کے لیے سرکار ہند سے اجازت بھی لے لی۔ اس کے بارے میں خبر درج ہے کہ یہ قرضہ اور ینٹ بنک کی معرفت دیا جائے۔ پانچ پانچ روپے کے ۵۰ لاکھ حصص بنائے

جائیں اور اس طرح دو کروڑ روپیہ فراہم کیا جائے۔ یہ قرضہ دس سال کے بعد واجب الوصول ہوگا۔ ایڈیٹر لائل گزٹ سردار امر سنگھ نے خبر کے آخر میں حاشیہ آرائی کی کہ سکھوں کو مسلمانوں کی قومی ہمدردی سے سبق سیکھنا چاہیے۔

۱۰رجون ۱۹۱۲ء کے شمارے میں صفحہ ۱۱ پر واقعات اور رائیں کے عنوان سے خبر درج ہے۔

''ہز ایکسیلنسی وائسرائے بالقابہ نے صاحب وزیر ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ کوئی لائق فائق اور تجربے کار شخص شاہی دارالخلافہ دہلی کی عمارات کا مقام پسند کرنے کے لیے ولایت سے مقرر کر کے روانہ کریں تا کہ دارالخلافہ کی تعمیرات کا کام شروع کر دیا جائے۔''

۱۴رجنوری ۱۹۱۲ء کے اخبار کی خبر ملاحظہ ہو۔

''یہ مسرت خیز خبر ہے کہ سردار حاکم سنگھ رئیس سیالکوٹ خلف الرشید سردار رتن سنگھ صاحب رئیس و پریزیڈنٹ سری گرو سنگھ سبھا کے مکان میں تقریباً دو ہزار لوگوں کو کھانا کھلایا گیا اور حضور ملک معظم کے جشن تاجپوشی کی خوشی میں ساڑھے چھبیس ہزار روپے کے قرضے لوگوں کے معاف کیے گئے اور شام کو اعلیٰ پیمانے پر معززین شہر کو گارڈن پارٹی دی گئی۔''

سردار امر سنگھ کو شعر و شاعری سے بھی رغبت تھی۔ انھوں نے کچھ برسوں کے بعد ''منصور'' تخلص اختیار کرتے ہوئے اردو فارسی میں غزلیں بھی کہیں لیکن جن ایام کا ذکر زیر قلم ہے تو وہ محض سردار امر سنگھ ہی تھے۔ اخبار لائل گزٹ لاہور کا زرِ سالانہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ سرورق پر درج ہوتا تھا:

نہ کوئی بیری نہ ہی بیگانہ
سکل سنگ ہم کو بن آئی

☆☆☆

بابائے قوم مہاتما گاندھی

بحیثیت اخبار نویس

بابائے قوم موہن داس کرم چند گاندھی ہندوستان کی وہ ممتاز ترین، بلند پایہ اور قابلِ احترام شخصیت تھے جنھوں نے اپنے کارہائے تحسین اور مساعی جمیلہ سے عالمگیر شہرت وعظمت حاصل کی اور کروڑوں بھارتیہ باشندوں کی صحیح طور پر رہنمائی اور نمائندگی کی۔ وہ فقط ہریجنوں اور پسماندہ طبقوں کے نجات دہندہ ہی نہ تھے بلکہ ۳۰ کروڑ ملکی عوام کے بھی تھے۔ انگریز سامراجیت کا طلسم توڑنے اور مادرِ وطن کو غلامی کی آہنی زنجیروں سے چھٹکارا دلانے کے لیے اس مردِ مجاہد نے وہ عظیم کارنامے انجام دیے جو تاریخِ ہند میں زریں حروف سے قلمبند کیے جا رہے ہیں۔ لنگوٹی پوش، درویش صفت عجز وانکسار نے اپنی تمام تر عمر عزیز قوم وملک کی خدمت، فلاحِ بنی نوعِ انسان اور آزادیٔ وطن کو تفویض کر دی تھی۔

جنوبی افریقہ میں انھوں نے ستیہ گرہ کا ہتھیار استعمال کیا۔ وطن واپس آکر انھوں نے محسوس کیا کہ کروڑوں ہم وطن غلامی، محرومی، ذلّت اور بدحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور معدودے چند انگریز حاکم ان پر حکمرانی کر کے شاہانہ مزاج رکھتے ہیں۔

اگر سفید فام انگریز کسی جرم میں سزایاب ہو تو زندان خانے میں 'اے کلاس' ملتی اور اسے ہر طرح کا آرام مہیا ہوتا۔ برعکس اس کے اگر کوئی ہندوستانی اسی نوع کے جرم میں اسیر ہوتا تو اس محکوم زندانی کو اسی انگریز قیدی کی خدمت پر مامور کیا جاتا۔ اسے ہر آسائش سے محروم کیا جاتا اور سخت ترین مشقت لی جاتی۔ ریل گاڑیوں میں درجہ اوّل کے ڈبے میں معزز

ہندوستانی سفر نہیں کر سکتے تھے۔ انگریز شرفا کے لیے علیحدہ تفریح گاہیں مختص تھیں اور بعض قیامگاہوں میں تو محکوم ہندوستانیوں کا داخلہ ہی ممنوع تھا۔ یہ طبقاتی تفریق انگریز حکمرانوں کی وضع کردہ تھی۔

انھوں نے با آواز بلند احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ ''آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی سیاہ فام ہو یا سفید فام سبھی کی رگوں میں سرخ لہو دوڑتا ہے۔'' چنانچہ انھوں نے سامراجی نو آبادیاتی نظام کے خلاف سینہ سپر ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اکابرینِ ہند کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے خط و کتابت کی۔ مضامین قلمبند کیے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ موہن داس کرم چند گاندھی نے تحریکِ آزادی کے لیے عدم تشدد کو ترجیح دی اور ستیہ گرہ کو مقبول عام بنانے اور ملکی عوام کو اس کی بے پناہ طاقت کا اندازہ کرانے کے لیے قلم کو آزمایا۔ اپنے خیالات عوام تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ عوامی رابطہ کے لیے اخبار کی مدد لی جائے۔ اخبار جو حکومت کا چوتھا ستون ہے۔ عوامی رسائی کے لیے صراطِ مستقیم سے کم نہیں۔ ۱۹۱۹ء میں جب رولٹ کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی تو لالہ شنکر لال بینکر نے گاندھی جی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے تمام تر قویٰ بروئے کار لائیں۔ چنانچہ عزم راسخ کے ساتھ انھوں نے مردِ آہن سردار ولبھ بھائی پٹیل سے کہا کہ اگر چند ہم وطن بھی ستیہ گرہ کے عہد نامہ پر دستخط کرنے کے لیے متفق ہو جائیں تو تحریکِ آزادی کو ملک گیر بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے بھی ایک اخبار کی احتیاج لازم ہے۔

احمد آباد میں سرفروشوں کی ایک میٹنگ میں عہد نامے پر دستخط کیے گئے اور قرارداد منظور کی گئی کہ تحریک آزادی کو کامیاب بنانے کے لیے اور عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک اخبار کی مدد لی جائے جس میں اپنے نظریات سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے مضامین شائع کیے جائیں اور عوام الناس کو ''ستیہ گرہ'' کا مفہوم بتایا جائے۔ لالہ شنکر لال بینکر اور اے۔ سودائی نے اپنے انگریزی اخبار ''ینگ انڈیا'' کی عنانِ ادارت گاندھی جی کو سونپ دی۔ ۱۹۲۴ء میں گاندھی جی ایک اخبار کے ایڈیٹر بن گئے اور اپنے مضامین بے باکی سے شائع کرنے لگے۔ لیکن وہ انگریزی زبان کی بجائے گجراتی کو ترجیح دیتے تھے تاکہ

اپنے گجراتی بھائیوں کو سب سے پہلے مفہومِ آزادی اور ستیہ گرہ کی طاقت کا احساس کرائیں۔ ان دنوں اندولال یانترک کی نگرانی میں گجراتی کا ماہنامہ ''نوجیون'' شائع ہوتا تھا جس کی مالی امداد لالہ شنکر لال بینکر کرتے تھے۔ یہ ماہنامہ بھی گاندھی جی کا مرہونِ منت ہو گیا۔ اس میں بھی ان کے مضامین اشاعت پذیر ہونے لگے۔ اس طرح انھوں نے لاکھوں عوام کو اپنی جانب راغب کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ گجراتی ماہنامہ ہفتہ وار چھپنے لگا اور اس کی اشاعت بھی سہ چند ہوگئی۔ ''ینگ انڈیا'' اور ''نوجیون'' دونوں احمد آباد سے چھپنے لگے۔ تجربے نے احساس دلایا کہ اپنے اخبارات کے لیے اپنا آزاد خود مختار پریس ہونا ضروری ہے۔

گاندھی جی آزاد قلم کے مالک تھے انھوں نے اپنے قلم کو بطور اسلحہ استعمال کیا۔ وہ بلا ناغہ مضامین لکھتے۔ اپنے قلم سے بذاتِ خود خطوط لکھنا ان کی عادت تھی۔ مشہور ادیب ضیاء الدین برنی اپنی معروف کتاب عظمتِ رفتہ میں رقمطراز ہیں:

> ''میں نے پہلی بار گاندھی جی کو ۱۹۱۷ء میں کان پور ریلوے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ جاڑے کا موسم اور وہ اونی دوشالہ اوڑھے ہوئے تھے جس میں بلا مبالغہ چھوٹے چھوٹے بیسیوں سوراخ تھے۔ یہ دوشالہ ہاتھ کا کتا ہوا اور بُنا ہوا تھا۔ بھارت چھوڑو تحریک کے سلسلے میں وہ سرائے آغا خاں پونا میں نظر بند تھے۔ وہ ہر روز ساٹھ ستر خطوط اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ یہ خط مختلف زبانوں میں ہوتے تھے۔ کچھ اردو اور کچھ گجراتی، کچھ تامل، انگریزی اور ہندی میں۔ یہ محض ذاتی نوعیت کے چند سطری ہوتے تھے۔ اردو کے خط سنسر کے لیے میرے حوالے کیے جاتے تھے۔''

جناب ضیاء الدین برنی پریس برانچ میں تھے وہ لکھتے ہیں کہ:

''گاندھی جی کا اخبار ملک کا واحد اخبار تھا جس کا ایک ایک لفظ بذریعہ تار وائسرائے ہند کی خدمت میں ہر ہفتہ بھیجا جاتا تھا۔ ان کی بڑی خصوصیت

اپنی بات پر جم کر دوسروں سے اپنی بات منوانے کی قوت تھی۔''

فرانسیسی ادیب رومین لو یند نے لکھا کہ:

''یہ وہ شخص ہے جس نے ۳۰ کروڑ ہندوستانیوں کی رگوں میں انقلاب کا جوش پیدا کیا اور اپنی زندگی ہم وطنوں کے مسائل حل کرنے میں صرف کر دی۔''

وہ مجسم ہندوستان تھے۔ اپنے ہاتھ سے کتے ہوئے سوت کا کپڑا پہننا پسند کرتے تھے۔ سودیشی تحریک کے بھی داعی تھے۔ اس مقصد کو تقویت دینے کے لیے انھوں نے کئی کتابیں اور پمفلٹ بھی شائع کیے جو ملک بھر میں تقسیم ہونے لگے۔ ان کی بدولت عوام کے دل و دماغ میں ذہنی بیداری پیدا کی گئی۔ نوجیون پریس سے گجراتی زبان میں لوک مانیہ کے نام سے اولین کتاب شائع کی گئی۔ ابتدا میں نوجیون پریس بان کوٹ احمد آباد کے ایک خراب وخستہ مکان میں واقع تھا۔ رفتہ رفتہ جب مطبوعات کی اشاعت میں اضافہ ہونے لگا تو اسے کھجوری کی پول میں منتقل کیا گیا۔ جہاں لاکھوں روپے کے تصرف سے وسیع و عریض عمارت تعمیر کی گئی۔ اسی عمارت میں پریس اور اخبارات کے دفاتر قائم کیے گئے۔ بعدازاں ''نوجیون'' ہفتہ وار کا ہندی ایڈیشن بھی چھپنے لگا۔ ۱۹۲۹ء تک اس مطبع میں لاتعداد کتابیں چھپ چکی تھیں اور ملک بھر میں اس کی شہرت ہونے لگی۔ نوجیون پریس آج بھی زندہ ہے۔ اسی سال یعنی ۱۹۲۹ء میں نوجیون پریس کا ٹرسٹ بنا اور سردار ولبھ بھائی پٹیل ٹرسٹ ہذا کے اولین چیئر مین نامزد کیے گئے۔ نوجیون پریس میں چھپنے والے تینوں اخبارات میں گاندھی جی کے اداریے اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے نظریات سے ملکی عوام کے خوابیدہ شعور کو بیدار کر کے ان کے دلوں میں جوشِ آزادی رواں کیا۔ صدائے حق بلند کرنے کی پاداش میں پابندِ سلاسل ہوئے تو ان تینوں اخبارات کی ادارت کے فرائض جناب کے۔ قریشی، جارج جوزف اور راج گوپال آچاریہ نے اپنے ذمہ لے لیے۔ بعدازاں قریشی بھی اسیرِ زنداں ہوئے تو ان کی جگہ جے پی منشی نے سنبھال لی۔ اس طرح تینوں اخبارات پابندی سے چھپتے رہے اور ان میں بابائے قوم گاندھی جی

کے نظریات اور محسوسات شریک ہوتے رہے۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۰ء تک مسلسل اور تواتر کے ساتھ تینوں اخبارات کی ادارت کی۔ اس دوران اپنے قلم سے لازوال تحریروں سے عوام میں انقلابی روح پیدا کی۔

۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ کا آغاز ہوا تو حکومت نے پریس آرڈیننس جاری کر کے تینوں اخبارات بند کرا دیے۔ نوجیون پریس نے عوام سے ذہنی رشتہ قائم رکھنے کے لیے ینگ انڈیا اور نوجیون کی سائکلو اسٹائل کا پیاں چھاپنا شروع کر دیں، انجام کار ۱۲ مارچ ۱۹۳۱ء کو قانوناً ان تینوں اخبارات سے قدغن ختم ہوا تو اخبارات کی اشاعت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ عام و خاص کی توجہ ان اخبارات کی جانب منعطف ہو چکی تھی۔ ہر کوئی بابائے قوم کے خیالات و نظریات و احساسات اور پیغامات کو جاننے کا متمنی تھا۔

۱۹۳۱ء میں گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لنگوٹی باندھ کر گئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ "لنگوٹی چہ معنی دارد؟" بابائے قوم نے انکساری سے جواب دیا کہ "ایک عام ہندوستانی کا یہی حقیقی لباس ہے۔"

کانفرنس میں کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو بادلِ نخواستہ واپس وطن آئے تو یہاں اضطراب و انتشار دیکھ کر افسردہ ہو گئے۔ جنوری ۱۹۳۲ء کے آغاز میں وہ پھر اسیر بنے۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۳۲ء کا شمارہ آخری تھا جس میں ان کا اداریہ شریکِ اشاعت ہوا تھا۔ بعد ازاں ینگ انڈیا، نوجیون ہندی اور گجراتی بھی بند ہو گئے۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں یہ تینوں اخبارات پھر عوام کے مطالعہ میں آنے لگے۔ مذکورہ بالا اخبارات کے علاوہ ہریجن انگریزی، ہریجن بندھو گجراتی اور ہریجن سیوک ہندی زبان میں چھپنے لگے۔ مجموعی طور پر ان سبھی اخبارات کی تعدادِ اشاعت لاکھوں تک جا پہنچی تھی اور یہ سبھی اخبارات بابائے قوم کے قلم کے احسان مند تھے۔ ان اخبارات میں گاندھی جی کے فرمودات کے علاوہ ان کی روزمرہ کی سرگرمیاں اور آئندہ کے پروگرام بھی چھپتے تھے۔ "ہریجن" کا پہلا شمارہ ۱۱ر فروری ۱۹۳۳ء کو پونا سے جاری ہوا تھا۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۳ء سے اپریل ۱۹۳۵ء تک مدراس میں چھپتا رہا۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۴۲ء سے یہ خیالات کولہا پور میں نوجیون پریس میں

چھپنے لگے۔ ۹/اگست ۱۹۴۲ء کو بھارت چھوڑو تحریک کا آغاز ہوا۔ بابائے قوم گاندھی جی گرفتار ہوئے تو بارِ ادارت کشوری لال مشرو بابا نے سنبھالا۔ ابھی دو شمارے چھپے تھے کہ حکومت نے قہر ڈھایا۔ ۲۹/اگست ۱۹۴۲ء کو پریس کا سامان قبضے میں لے کر ریکارڈ نذرِ آتش کر دیا گیا اور پریس بحکم سرکار مقفل کر دیا گیا۔ ۲/فروری ۱۹۴۶ء کو پابندیاں ختم ہوئیں تو یہ سبھی اخبارات از سرِ نو شائع ہونے لگے۔ مندرجہ بالا اخبارات میں بابائے قوم نے جو اداریے یا مضامین شائع کیے ان کے اقتباساتِ محض کی روشناسی کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

وہ اہل سیف بھی تھے اور اہل قلم بھی

انقلاب پسند لالہ دینا ناتھ آزادی وطن کے متمنی سماجی اصلاحات کے حامی اور ممتاز اخبار نویس تھے۔ وہ روزانہ اخبار ہندوستان لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ جس کی اس زمانے میں نہ صرف بڑی شہرت تھی بلکہ کثیرالاشاعت بھی تھا اور تیرہ ہزار سے زائد کی تعداد میں چھپ کر ملک کے طول و عرض میں بھیجا جاتا تھا۔ 'پیسہ' اخبار کے بعد 'ہندوستان' کا نام مقبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ لالہ دینا ناتھ کے بارے میں کہاوت تھی کہ وہ اہل سیف بھی ہیں اور اہل قلم بھی۔ ضلع گوجرانوالہ حال پاکستان کا مردم خیز خطہ تحصیل حافظ آباد ان کا وطن مالوف تھا۔ ۱۸۷۶ء میں ان کی پیدائش ایک متوسط کھتری خاندان میں ہوئی۔ بچپن میں ہی والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے تو والدہ نے انھیں زیور تعلیم سے آراستہ کر کے ''بڑا آدمی'' بنانے کا تہیہ کیا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی لالہ دینا ناتھ کے مضامین پیسہ اخبار لاہور اور بھارت سیوک جالندھر میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو جب ان کی مجرمانہ قسم کی مضمون نویسی کا علم ہوا تو انھوں نے سخت سرزنش کی اور باغیانہ مضمون لکھنے سے منع کر دیا۔ لیکن غیرت مند مستقل مزاج اور حریت پسند دینا ناتھ نے شکست گوارا نہ کرتے ہوئے احتجاجاً اسکول چھوڑ دیا اور مشن اسکول وزیر آباد میں داخلہ لے لیا۔ ہیڈ ماسٹر کی تنبیہ سے ان کے جذبات میں شدت پیدا ہو گئی۔ جس سے زور قلم میں اضافہ ہو گیا۔ انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ ڈی اے وی کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ جب نیشنل کانگریس کی تحریک آزادی نے نوجوانان وطن کے لہو کو گرمانا

شروع کیا تو انھوں نے تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر اخبار نویسی اختیار کر لی۔ مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار نے انھیں اپنے ہفتہ وار اخبار انتخاب لاجواب کا مدار المہام مقرر کر دیا اور وہ اسی ادارے میں تصنیف و تالیف کا بھی کام کرنے لگے۔ اس دوران انھوں نے اپنے دونوں بھائیوں کو لکڑی کا چھاپہ خانہ لگوا دیا۔ اگست ۱۹۰۴ء میں لالہ دینا ناتھ نے اپنا روزنامہ اخبار ہندوستان آب و تاب سے جاری کیا اور انتخاب لاجواب کے نمونے پر ہفتہ وار اخبار دلچسپ بھی جاری کیا چونکہ ہفتہ وار اخبار دلچسپ قارئین کو دلچسپی کا سامان فراہم نہ کر سکا اس لیے بند ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس کی بجائے ایک ماہنامہ ہمالہ جاری کر دیا گیا۔ یہ لالہ جی کے زورِ قلم کا ہی نتیجہ تھا کہ اخبار ہندوستان کو پیسہ اخبار پر سبقت حاصل ہو گئی۔ وہ ہندو سماج کی بھی مقتدر شخصیت تھے اور آریہ سماج کے مبلغ مہاشہ کرشن ایڈیٹر ہفتہ وار پرکاش لاہور کے حلیف بھی تھے۔ دونوں کے دلوں میں اصلاح معاشرہ، فلاح عوام اور حب الوطنی کا جذبہ کارفرما تھا۔

لالہ پنڈی داس کا اخبار انڈیا گوجراں والا ہندوستان اسٹیم پریس میں چھپنے لگا تو ۲۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو اخبار انڈیا کی اشاعت کے الزام میں ماخوذ ہو گئے کیوں کہ اس میں ایک ''باغیانہ'' مضمون شائع ہوا تھا۔ حکومت نے لالہ پنڈی داس لالہ دینا ناتھ وغیرہ کے خلاف بغاوت ہند اور بلوہ کے مقدمات درج کر کے گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے۔ مقدمے کی سماعت ہوئی تو عدالت میں ایک گواہ نے بیان کیا کہ اخبار میں شائع ایک مضمون میں ہندوستان کی دیسی فوج کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا ہے اور برطانوی سرکار کو گالیاں دے دے کر کوسا گیا۔ مقدمہ بغاوت ہند ہٰذا میں ہندوستان پریس اور اخبار کے کئی ملازم بطور گواہ طلب کیے گئے جنھوں نے لالہ دینا ناتھ اور لالہ پنڈی داس کو وطن دشمن باغی اور مفسد گردانتے ہوئے ان کے خلاف شہادتیں دیں جن کی تفصیل کافی طویل ہے۔

خوشالی رام گواہ نمبر ۲۴ نے پرچہ مذکور کو لاہور میں چھپتے اور تہہ ہوتے دیکھا۔
''مقدمہ کی سماعت کے دوران سرکاری وکیل مسٹر پٹ جین نے اخبار میں چھپے مضمون کا

انگریزی ترجمہ پڑھ کر سنایا'' اور بعض تحریروں سے ثابت کیا کہ لالہ دینا ناتھ نے ''اجیت سنگھ'' کی تقریروں کو پسند کیا۔ نیز عدالت کی ان الزامات کی جانب توجہ دلائی۔ جن کی رو سے لالہ دینا ناتھ کی جائیداد ضبط کی جاسکتی تھی۔ اہل فقہ امرتسر کی اشاعت بابت ۷/جون ۱۹۰۷ء میں خبر درج ہے کہ:

''مقدمہ بغاوت اخبار انڈیا گوجرانوالہ کے متعلق لاہور کے اخبار وطن اور ہندوستان کے مطابع کے دفتروں کی تلاشی ہوئی۔ اغلباً اس شبہ سے کہ شاید دونوں اخبارات کے پریسوں میں اخبار انڈیا کی کوئی کاپی چھپی ہو۔ اس طرح رام دتہ مل کتب فروش اور دھاری مل جلد ساز لاہور کی بھی خانہ تلاشی کی گئی۔''

عدالت کی طلبی

اخبار اہل فقہ امرتسر بابت ۲۸/جون ۱۹۰۷ء میں اس واقعہ کی اس طرح خبر شائع ہوئی:

''۲۰/جون کو اخبارات ''ہندوستان'' اور ''انڈیا'' کی پیشی کے بعد ان ملزموں کی بھی عدالت میں طلبی ہوئی جنھوں نے اخبار ''پنجابی'' کی حمایت میں اپر مال پر بلوہ کیا تھا۔ سب کو حکم دیا کہ کل ہزار ہزار روپے کی ضمانتیں لے کر عدالت میں حاضر ہو جاؤ۔'' اخبار اہل فقہ امرتسر کے فاضل ایڈیٹر غلام احمد اخگر نے اخبار میں ۲۸/جون ۱۹۰۷ء کو لکھا۔

اصلی اور نقلی ایڈیٹر

دوران مقدمہ میں شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اخبار انڈیا گوجرانوالہ کے اصل ایڈیٹر ماسٹر انبا پرشاد صوفی ہیں اور پنڈی داس رائے نام ایڈیٹر۔ یہ بھی شہادت گزری کہ لالہ دینا ناتھ مالک وایڈیٹر ہندوستان لاہور اخبار انڈیا گوجرانوالہ کے بڑے مؤید وحامی تھے۔ اخبار انڈیا کی کچھ کاپیاں خورشید عالم پریس گوجرانوالہ میں بھی چھپی تھیں۔ ماسٹر انبا پرشاد صوفی اور پنڈی داس کے والد ایشر داس کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری ہیں۔''

لالہ دینا ناتھ کی گرفتاری

اخبار وکیل امرتسر نے ۲۸؍جن ۱۹۰۷ء کو بابو دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان لاہور کی زیر دفعات ۱۰۹۔۱۲۴۔۱۳۷۔۱۳۹ اگرفتاری کی خبر شائع کی۔

سزا کا حکم

یکم اگست ۱۹۰۷ء کو مسٹر جے ڈی بائیڈ صاحب اسپیشل مجسٹریٹ نے ملزمان لالہ پنڈی داس ایڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور کو پانچ پانچ برس قید سخت کی سزا دی اور زیر دفعات ۱۲۴ الف ۵/۷ اور ۱۳۱ تعزیرات ہند "ہندوستان پریس" ضبط کرنے کا حکم دیا۔

اور لالہ دینا ناتھ کا اخبار "ہندوستان" اور مطبع پنڈت رام بھج دت وکیل لاہور نے خرید لیا۔

عدالت عالیہ میں اپیل کی گئی تو سزا میں تخفیف کر دی گئی اور سزا دو سال رہ گئی۔ سزا بھگتنے کے بعد بھی لالہ دینا ناتھ نے اپنی تحریک کو رواں دواں اور عزم کو جواں رکھا تھا۔

☆☆☆

آزادیٔ وطن کی خاطر

وہ اسیرِ زنداں ہوئے

شرومنی اکالی دل نے جولائی ۱۹۲۳ء میں امرتسر سے روزنامہ اخبار ''اکالی'' جاری کیا تھا۔ جس کے پہلے ایڈیٹر سردار جمیت سنگھ اکالی اور ماسٹر تارا سنگھ اخبار کے نگراں تھے۔ اخبار ہذا کا مقصدِ وحید انگریزی حکومت سے متصادم ہونا اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنا تھا۔ اخبار اکالی کا دفتر گاندھی گیٹ امرتسر کے باہر تاریخی عمارت سرائے سنت رام کی بالائی منزل پر واقع تھا۔ اخبار ہذا نہایت آب و تاب کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ چونکہ سرکاری عتاب نازل ہوتا رہتا تھا اس لیے اخبار کے کئی ''ڈمی'' ایڈیٹر بھی تھے۔ جو یکے بعد دیگرے بغاوت ہند وغیرہ جرائم کی پاداش میں گرفتار اور سزایاب ہوتے رہے۔ ڈاکٹر ہری سنگھ چکوالیہ بھی اخبار اکالی کے ایڈیٹر رہے۔ ضلع جہلم کی تحصیل چکوال کے باشندے تھے۔ جوش حریت اور شوق صحافت انھیں اٹھارہ برس کی عمر ہی میں گورو کی نگری امرتسر لے آیا۔ ان دنوں گورو کے باغ کا مورچہ جاری تھا اور بازار سیاست بھی کافی گرم تھا۔ اخبار کے منتظمین نے ڈاکٹر ہری سنگھ کے جذبہ کے مدنظر اخبار کا ایڈیٹر مقرر کردیا اور اب اخبار کی پیشانی پر ان کا نام بھی شائع ہونے لگا۔

(ملاحظہ ہو اخبار اکالی امرتسر مخزونہ سکھ ریفرنس لائبریری)

۱۳/اکتوبر ۱۹۲۳ء کو امرتسر میں کرفیو نافذ ہوگیا اور پنجاب سرکار نے تمام سرکردہ

اکالی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ سردار ہری سنگھ چکوالیہ سرائے سنت رام کی عمارت میں ہی رہائش رکھتے تھے۔ ایک رات سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر سمتھ نے پولیس جمعیت کے ساتھ دفتر اکالی پر چھاپہ مارا اور سردار چکوالیہ کو موٹر میں بیٹھنے کے لیے کہا چکوالیہ نے جرأت کے ساتھ انگریز پولیس افسر سے کہا کہ اگر مجھے گرفتار کرنا تھا تو اس قدر فورس منگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تب ڈی ایس پی مسٹر بندرا نے کہا کہ ہم آپ کو تکلیف دینے کے لیے نہیں آئے آپ کے ساتھی پہلے ہی ڈسٹرکٹ جیل پہنچا دیے گئے ہیں۔ اس روز اکالی رہنما ماسٹر تارا سنگھ سردار مہتاب سنگھ، سردار سوہن سنگھ جوش، سردار سنتا سنگھ سلطان ونڈ یا اور جتھے دار تیجا سنگھ کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

۱۴؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء کی صبح سرکار نے شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی اور اس سے ملحقہ تمام تنظیموں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ مذکورہ تنظیموں پر تاج برطانیہ کے خلاف بغاوت کرنے وغیرہ کے الزامات عائد کیے گئے تھے اور اس سلسلے میں ۵۸ (اٹھاون) اکالی رہنماؤں پر زیر دفعات ۱۲۱ (الف)، ۱۲۰ (ب) ۱۲۴ (الف) ۱۰۹۔۱۱۲ (ب) اور ۱۵۲ (الف) تعزیرات ہند مقدمات دائر کیے گئے جن کی سماعت خصوصی مجسٹریٹ مسٹر پی جے اینڈرسن کی عدالت میں ہوئی۔ خصوصی عدالت کا اجلاس ڈسٹرکٹ بورڈ امرتسر کے ہال میں منعقد ہوتا تھا۔ بغاوت ہند کے اس مقدمہ کے ایک ہزار کے قریب سرکاری گواہ تھے اور مقدمہ مسلسل تین سال تک زیر سماعت رہا۔ عدالت نے تمام ''خطرناک'' ملزموں کے علیحدہ علیحدہ گروپ بنا کر ان کے خلاف فرد جرم عائد کر دی۔

(ملاحظہ ہو ریکارڈ مخزونہ و مملوکہ ریفرینس لائبریری۔ امرتسر)

مذکورہ ریکارڈ کے صفحہ ۱۰ پر مسٹر سمتھ سپرنٹنڈنٹ پولیس کا بیان درج ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اکالی اخبار ہے جو امرتسر سے چھپتا ہے، اس کی تعداد اشاعت معلوم نہیں۔ ملزم ہری سنگھ چکوالیہ (نمبر ۵۷) اس کا ایڈیٹر اور ماسٹر تارا سنگھ اس کے جائنٹ ایڈیٹر ہیں......... اخبار کی پالیسی ہمیشہ باغیانہ اور سرکار انگلیشیہ کے خلاف رہی ہے۔ میں

اخبار کے شمارہ بابت ۱۵/اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۲ (۶۲ الف) کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ میں ہری سنگھ ملزم مذکور نمبر (۵۷) کی طرف سے ڈیکلریشن حاصل کرنے کی درخواست کی مصدقہ نقل ۱۵ جون ۱۹۲۳ء پیش کرتا ہوں کہ ہری سنگھ مذکور اخبار اکالی کا ایڈیٹر ہے۔ اخبار کے شمارہ بابت ۱۸ اگست ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۴ کا مضمون اور ۲۱ ستمبر صفحہ ۸ پر نیز ۲۷ ستمبر صفحہ ۳ اور ۴ اور یکم اکتوبر ۱۹۲۳ء کے مضمون کا اقتباس پیش کرتا ہوں.......ان تمام مضامین میں جن کی تعداد ۱۰ ہے۔ سرکار انگلشیہ کے خلاف عبارت موجود ہے۔ اس کا مقصد سرکار کا تختہ الٹنے کی سازش کرنا ہے۔ سردار ہری سنگھ چکوالیہ کے خلاف منافرت انگیز پوسٹر شائع کرنے کے جرم میں زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) ایک دوسرا مقدمہ پنڈت ہری کشن مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں دائر کیا گیا ہے۔ چکوالیہ کے ساتھ گوپال سنگھ قومی بھی ملوث پائے گئے۔ چنانچہ دونوں کو عدالت ہذا سے دو دو سال قید کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ ڈسٹرکٹ جیل امرتسر میں دونوں حریت پسندوں کو دس دس سیر گندم پیسنے کے لیے دیا گیا اور ان کے ساتھ سختی برتی گئی۔ تیسرے دن قریباً پانچ ہزار اکالی جلوس کی صورت میں جیل کے دروازے پر پہنچے ان کے ساتھ گھوڑ سوار پولیس بھی تھی تا کہ تشدد کا واقعہ رونما نہ ہو۔ جلوس نے مظاہرہ کیا الزام لگایا کہ دونوں باغیوں کو چکی بند کر کے زدوکوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ محض ایک افواہ تھی۔ جیل حکام نے مظاہرین کی تسلی کرانے کے بعد دونوں حریت پسندوں ہری سنگھ چکوالیہ اور گوپال سنگھ وامی کو شاہی قلعہ لاہور کی خصوصی جیل میں منتقل کر دیا۔ وہیں چکولیہ کو والدہ کی موت کی دلخراش خبر ملی تو سرکار نے انھیں پیرول پر رہا کرنے کی اجازت دے دی جسے غیور چکوالیہ نے ٹھکرا دیا۔ اکالی رہنماؤں کے مقدمات کی پیروی کے لیے رائے زادہ بھگت رام پوری اور سردار نہال سنگھ وکیل نے پیروی کی ان مقدمات پر شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کا کافی روپیہ صرف ہو گیا۔ عدالت میں بغاوت ہند کا مقدمہ قریباً تین سال تک زیر سماعت رہا۔ اس دوران شرومنی کمیٹی کے عملے کو رہا کر دیا گیا۔ اور ۱۴۸ اکالی رہنماؤں کے بیانات قلم بند کیے گئے۔

سردار ہری سنگھ چکوالیہ ایڈیٹر روزانہ اکالی امرتسر پر متعدد الزامات عائد تھے۔ فرد

جرم کی تفصیل اور کارروائی مرقومہ صفحہ نمبر ۱۲۸۸ کے مطابق ان پر مجرمانہ طاقت کے ذریعے شاہ برطانیہ حکومت ہند اور حکومت پنجاب کا تختہ الٹنا۔ بغاوت و منافرت مہاراجہ نابھہ کی بحالی کے لیے گورو کے باغ جیتو میں مورچے اور عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کرنا وغیرہ کے الزامات عائد تھے۔

اکالی رہنما کے حق میں پنڈت جواہر لال نہرو نے جو پیغام ارسال کیا وہ ۲۳ر نومبر ۱۹۲۳ کے اخبار اکالی میں 'ہندو! اکالیوں کا ساتھ دو' کے عنوان سے شائع ہوا۔

سردار ہری سنگھ چکوالیہ کے اسیر زنداں ہونے کے بعد سردار سردول سنگھ اکالی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ چنانچہ اخبار اکالی میں مقدمہ کی بابت ایک خبر شائع ہوئی جس کا متن یہ تھا:

آج صبح دس بجے مسٹر پی جے اینڈرس کی عدالت میں سکھ لیڈران کا مقدمہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہال میں پیس ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے پٹ مین اور جوالا پرساد اور مستغاث علیہ کی طرف سے رائے زادہ بھگت رام لالہ رگھوناتھ سہائے سردار سنت سنگھ پیروکار تھے۔ اور پنڈت موتی لال نہرو اور پنڈت جواہر لا نہرو بھی کمرہ عدالت میں رونق افروز تھے۔ مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو مسٹر سمتہ نے بیان کیا کہ لوکل سرکار کی منظوری سے دفعات ۱۲۰ (ب)، ۱۲۱ (الف)، ۱۲۴ (الف) کے ماتحت ملزمان پر ۱۹۴ (الف) کی رو سے مقدمہ چلایا جائے۔ پہلے سردار منگل سنگھ، سردار گوپال سنگھ قومی اور سردار تیجا سنگھ چوہڑ خانہ کے وکلاء کے بارے میں پوچھا گیا۔ سردار گورچرن سنگھ سے پوچھا تو اس نے کہا میرا وکیل تو خدا ہی ہے اس پر رگھوناتھ سہائے نے کہا اسے طلب کیا جائے۔

اسی طرح سردار ہری سنگھ چکوالیہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم اخبار کا ڈیکلیریشن پیش کر سکتے ہو؟ اکالی رہنماؤں کی گرفتاری کے حلاف جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک جلسہ ہوا جس میں ڈاکٹر سید محمود، جارج جوزف، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزار، لالہ لاجپت رائے، پنڈت موتی لال نہر، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر ستیہ پال، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، سروجنی نائیڈو، ڈاکٹر انصاری، پنڈت کے انتانم اور دوسری نامور شخصیتوں نے تقاریر کیں۔

اجلاس میں شرومنی کمیٹی کے ممبر بھی شامل ہوئے اور اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی گئی قرارداد میں اکالیوں کی مدد کا فیصلہ کرتے ہوئے ۲۸ ممبری کمیٹی مقرر کی گئی۔ اکالیوں کی جدو جہد کانگریس اور دوسری سیاسی تنظیموں کی حمایت کی داستان کافی طویل ہے جس کا ذکر مختصر کالم میں کیا جانا ممکن نہیں۔

سردار ہری سنگھ چکوالیہ نے آزادی وطن دہلی سے اپنا ہفتہ وار اخبار نو جوان مزدور جاری کیا۔ راقم کی ممدوح سے باقاعدہ مراسلت بھی رہی اور ملاقات بھی۔ وہ ثقہ قسم کے اخبار نویس تو نہیں تھے البتہ بڑے دلنواز، خوش کلام اور خوش سیرت ضرور تھے۔ دہلی میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ اخبار نویس

جن کی زندگی جیلوں اور کالے پانی میں گزری

مادر ہند کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے میں اخبار نویسوں اور اخبارات خصوصاً اردو اخبارات کو بڑا دخل رہا ہے۔ ان میں ایسے بھی اخبار نویسوں کے نام آتے ہیں جن کا کسی تواریخ و تذکرے میں ذکر تک نہیں ملتا۔ ماسٹر لدھارام بھی ایک ایسے ہی غیر معروف اخبار نویس تھے جن کے دل میں حصول آزادی کی تڑپ پیدا ہوئی تو انھیں پابند طوق و سلاسل ہو کر پس دیوار زنداں جانا پڑا۔ مجموعی طور پر ان کا عہد شباب جیلوں اور کالے پانی میں گزرا۔

ماسٹر لدھارام نے انیسویں صدی کے اواخر میں لاہور میں مشہور انقلابی صوفی امنا پرشاد سے درس صحافت لیا اور قلم و قرطاس سے انقلاب لانے کا عزم کیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں الٰہ آباد سے مادر ہند کے ایک جیالے سپوت منشی شانتی نارائن بھٹناگر نے قلم کو ہتھیار بناتے ہوئے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا سوراجیہ۔ جیسا کہ نام سے عیاں ہے یہ ایک قابل قدر اخبار تھا جو ۱۹۰۷ء میں آٹھ صفحات پر چھپنا شروع ہوا۔

سوراجیہ میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جو مضامین بطریق احسن شائع ہوتے تھے ان سے حکومت انگلشیہ بے حد خفا و نالاں تھی اور کسی بھی طرح ان کی اشاعت برداشت نہیں کر سکی۔ جون ۱۹۰۸ء میں حکومت نے ایڈیٹر سوراجیہ کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴ء الف تعزیرات ہند مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ کا فیصلہ قید و جرمانہ پر منتج ہوا۔ حریت پسند اخبار نویس منشی شانتی نارائن بھٹناگر کو دو سال قید سخت اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا

گیا۔ ان کی اسیری کے دوران بابو ہری داس نے اخبار کی عنان ادارت سنبھالی وہ بھی نومبر ۱۹۰۸ء میں گرفتار کر لیے گئے۔ کیونکہ اخبار "سوراجیہ" سوراج کے حصول کے مقصد وحید سے ہی جاری کیا گیا تھا۔ اس سے مالی منافع کی امید نہیں کی گئی بلکہ ایک صحت مند مشن کے تناظر سے اسے جاری کیا گیا تھا اور حکومت وقت کی استبدادیت کے باوجود اس کی اشاعت میں کوئی تعطل اور عزم میں لغزش پیدا نہ ہو سکی۔ اخبار سوراجیہ کے دونوں ایڈیٹروں کی سزایابی کے بعد اخبار کو جاری رکھنے کے لیے کسی قوم پرست محبِّ وطن اور سرفروش ایڈیٹر کی تلاش کی گئی اس مطلب کے لیے اخبار ذوالقرنین بدایوں کے شمارہ بابت ۱۴ر فروری ۱۹۰۹ء میں اخبار سوراجیہ الٰہ آباد کی جانب سے ایک اشتہار شائع کیا گیا جس کا متن یہ تھا:

"ایک جو کی روٹی اور ایک پیالہ پانی، یہ شرح تنخواہ ہے جس پر سوراجیہ الٰہ آباد کے واسطے ایک ایڈیٹر مطلوب ہے۔ یہ وہ اخبار ہے جس کے دو ایڈیٹر بغاوت آمیز مضامین کی جھپٹ میں گرفتار ہو چکے ہیں اب تیسرا ایڈیٹر مہیا کرنے کے لیے جو اشتہار دیا جاتا ہے اس میں جو شرح تنخواہ ظاہر کی گئی ہے کہ ایسا ایڈیٹر درکار ہے جو اپنے عیش و آرام پر جیل خانہ میں رہ کر جو کی روٹی اور ایک پیالہ پانی کو ترجیح دے۔"

مذکورہ بالا اشتہار کی اشاعت کے بعد ایک سرفروش منشی نند گوپال نے اخبار سوراجیہ کو اپنی خدمات پیش کیں انھیں بغاوت ہند کے جرم میں عدالت سے پہلے ہی سزا ہو چکی تھی اس لیے وہ جرم بغاوت اور خوف سزا سے قطع نظر اخبار ہذا کے حلقہ ادارت سے وابستہ ہو گئے۔ موصوف نے اپنے قلم شرربار سے انگریزی سامراج کے خلاف ایسے آتشیں مضامین لکھے کہ انجام کار حکومت کو حرکت میں آنا پڑا مقدمہ دائر ہوا تو بغاوت ہند کے جرم کی پاداش میں دس برس قید سخت کی سزا ملی۔

اخبار سوراجیہ کے تین سرفروش ایڈیٹر سزایاب ہو گئے تو ماسٹر لدھا رام نے لاہور سے الٰہ آباد آ کر اخبار کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انھوں نے اخبار کی پالیسی کو بدستور جاری رکھا اور بلاخوف اپنا زور قلم دکھایا تو حکومت کے ایوان لرز اٹھے۔ ان پر بھی افتاد پڑی مقدمہ چلا ۱۶ مئی ۱۹۱۰ء کو مسٹر رستم جی ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج الٰہ آباد کی عدالت میں مقدمہ کی

سماعت ہوئی۔

آخر میں ماسٹر لدھارام کو دس سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا جسے انھوں نے بخندہ پیشانی قبول کیا عدالت نے انھیں عبور دریائے شور یعنی کالے پانی کی سزا دی تھی جو ان دنوں سب سے زیادہ سخت و اذیت ناک سمجھی جاتی تھی لیکن قید اور اذیت تو حریت پسندوں کا مقدر بن چکی تھی۔ ماسٹر لدھارام کو دس برس کے لیے کالے پانی (جزائر انڈمان) بھیج دیا گیا جس کے تصور سے ہی روح لرز اٹھتی تھی۔

اخبار سوراجیہ کے صفحہ اول پر درج ہوتا تھا:

''ہندوستان کے ہم ہیں، ہندوستان ہمارا۔ قومی پارٹی کا سچا آرگن سوراجیہ کا دعویدار سودیشی اور بائیکاٹ کا حمایتی ہے۔''

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو مادر ہند کی زنجیریں کٹیں ملک آزاد ہوا تو ماسٹر ممدوح لاہور سے لکھنؤ پہنچے بڑھاپے اور مفلسی کی وجہ سے بے حد پریشان تھے دیارِ غیر میں نہ کوئی مددگار نہ مونس۔ حکومت کو امداد کی درخواستیں دیں تو مایوسی ہوئی بلکہ سرکاری افسر شاہی کی سخت سست سننا پڑی۔ ناامید ہو کر علی گڑھ چلے آئے وہیں ایک قوم پرست نے حکومت اتر پردیش سے سفارش کر کے ان کی پچاس روپے ماہانہ پنشن مقرر کرادی جو بعد ازاں بند ہو گئی۔

☆☆☆

سماجی بدعتوں کے خلاف انھوں نے

صدائے حق بلند کی

شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نامور جرنیل دیوان محکم چند ۱۸۰۷ میں انتقال کر گئے تھے۔ انہی کے خاندان کے ایک فرد تھے پربھودیال۔ جو موضع بھدانہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد بعہدۂ تھانیدار تعینات تھے۔ ان کا آبائی وطن چاہلی ضلع گوجرانوالہ تھا۔ ایک ملازمت کی وجہ سے پربھودیال کے والد مختلف مقامات پر مقیم رہے۔ گھر میں خوشحالی تھی اور روپے کی افراط۔ اس لیے پربھودیال لڑکپن سے ہی عیش وعشرت کے دلدادہ، امارت پسند اور مجلس احباب کے روح رواں تھے۔ اپنی شوخ مزاجی کی بدولت بانکےلال کے عرف سے مشہور ہوئے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''میں ابتدائے شباب میں بانکپن کا دلدادہ تھا۔ عطریات وملبوسات وغیرہ کا ازبس شائق تھا۔ اس لیے گھر اور باہر کا ہر شخص بانکا دیال بانکا دیال کہنے لگا۔ میں خود بھی خودگر ہوگیا اور پنجابی شعروں میں بانکا دیال تخلص کرنے لگا۔ اور یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ اصل نام پربھودیال کی جگہ اب اسی نام سے تمام لوگ واقف ہوگئے۔''

انھوں نے جھنگ اور گوجرانوالہ (پاکستان) میں تعلیم پائی اور انٹرنس کا امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پاس کیا۔ کبھی کبھی اپنے دادا بابا نہال چند کے ساتھ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس لاہور کے چھاپہ خانہ لگانے کا شوق چرایا۔ اپنے والد کے

انتقال کے بعد انھوں نے گوجرانوالہ میں دیال پریس لگایا چونکہ تجربہ نہ تھا اس لیے جلد ہی دستی چھاپہ خانہ فروخت کرنا پڑا۔ ۱۸۹۷ء میں اپنے والد مرحوم کی بہترین خدمات کے صلے میں محکمہ پولیس پنجاب میں بھرتی کرلیا گیا۔ وہ ۱۹۰۳ء تک پنجاب کے مختلف تھانوں میں بطور محرر ملازمت کرتے رہے۔ چونکہ شعروادب کا شوق دامن گیر تھا اور طبیعت میں لا ابالی پن، اس لیے انھیں ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ بانکے دیال پنجابی میں شاعری کرتے تھے۔ لیکن اس میدان میں انھیں زیادہ شہرت نہیں ملی۔ فکر ومطالعہ کا شوق بلکہ جنون تھا۔ اس زمانے میں مولوی محبوب عالم کے اخبار روزانہ ''پیسہ اخبار'' کا بڑا چرچا تھا اور پنجاب سے بہت سے اخبارات شائع ہونے لگے تھے۔ بانکے دیال نے ستمبر ۱۹۰۴ء میں دیال پریس از سر نو قائم کر کے یکم دسمبر ۱۹۰۴ء کو اخبار ''جھنگ سیال'' جھنگ سے جاری کیا۔

۱۹۱۲ء کا ایک واقعہ ہے کہ وزیر اعظم جموں وکشمیر رائے صاحب دیوان امرناتھ نے اپنے صاحب زادے کی شادی اس شان وشوکت کے ساتھ کی کہ عام وخاص دم بخود رہ گئے۔ شادی میں طوائفوں کے رقص وسرود کی محفلیں بھی منعقد ہوئیں۔ اس زمانے میں طوائفوں کی سمولیت باعث فخر محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اس زمانے میں اس بدعت کے خلاف کئی تنظیموں نے مہم شروع کر رکھی تھی۔ لالہ ہیرالال کپور ایڈیٹر کھتری سماچار لاہور پیش پیش تھے۔ کئی آریہ سماجی اخبارات بھی ان قباحتوں کے سخت خلاف تھے۔ مہاشہ کرشن نے اپنے ہفتہ وار اخبار پرکاش لاہور کے ذریعے ان بدعتوں کے خلاف جنگ شروع کر رکھی تھی۔ چنانچہ قریب تمام اخبارات نے اس عظیم الشان شادی کی مخالفت کی اور طویل وعریض مضامین شائع کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ لالہ بانکے دیال نے اپنے اخبار ''جھنگ سیال'' میں اس شادی کی حمایت میں خامہ فرسائی کی کہ:

> ''جب پبلک کا کیریکٹر اچھا ہو جائے گا تو اصلاحیں خود بخود ہو جائیں گی۔''

مولوی محبوب عالم نے اپنے روزانہ پیسہ اخبار لاہور کی ۳۰ اگست ۱۹۱۲ء کی اشاعت

میں ایک مراسلہ شائع کیا جو اس طرح تھا:

شادی میں ناچ کیوں ہوا؟" رائے بہادر رام سرن داس رئیس اعظم لاہور کی صاحب زادی اور دیوان امرناتھ مدارالمہام کشمیر کے صاحب زادے کی شادی کے متعلق آپ کے اکثر لوکل معاصرین میں بعض امور پر اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ پر میں یہ ظاہر کرنا چاہوں گا کہ رائے بہادر لالہ شادی لال نے ذاتی طور پر ناچ وغیرہ کے انسداد میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا اور ان کے سمجھانے پر لالہ رام سرن داس اور دیوان امرناتھ صاحبان بھی ذاتی طور پر ناچ وغیرہ چھوڑنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ لیکن براتیوں کے اصرار و تاکید پر بہ امر مجبوری ہر دو اصحاب کو ان باتوں کا انتظام کرنا پڑا۔ کیونکہ ہر ایک میزبان مجبور ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھے۔"

(مذکورہ اخبار جماعت احمدیہ قادیان کے کتب خانہ میں موجود ہے)

شادی میں رقص و سرود کی محفلوں کے انعقاد کی حمایت کرنے کے بعد لالہ بانکے دیال کے کردار اور موقف پر اعتراضات اٹھنے لگے۔ لیکن ان کا یہی جواب تھا کہ سب سے پہلے عوام کو اپنا اخلاق بلند کرنا چاہیے۔ اس شاہانہ شادی کی حمایت میں کئی دوسرے اصحاب نے بھی مضامین لکھے لیکن...... بایں ہمہ مخالفین کا پلڑا بھاری رہا۔

دیوان امرناتھ نے اپنے صاحبزادے دیوان بدری ناتھ پرائیوٹ سیکریٹری مہاراجہ جموں و کشمیر کی شادی پر ملک بھر سے نامور طوائفوں کو مدعو کیا۔ اخبارات کو بھی دعوت نامے بھجوائے لیکن اخبارات نے سخت تعرض کیا اور اس شادی کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی مخالفت میں آرٹیکل لکھے۔ انقلابی اخبار نویس صوفی انبا پرشاد اس زمانہ میں لاہور میں ہی تھے۔ انھوں نے بھی اس شادی اور بدعت کی مخالفت کرتے ہوئے مضامین لکھنا شروع کیے۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان لاہور بھی پیش پیش تھے۔ لاہور پولیس نے ایک بار ہندوستان لاہور کے دفتر پر چھاپہ مارا لیکن کسی کو گرفتار نہ کرسکی۔

دیوان بدری ناتھ ایم اے ایل ایل ڈی بیرسٹر اور مہاراجہ کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے۔ان کی شادی پران کے والد رائے صاحب دیوان امرناتھ نے ۱۳ ہزار روپے نقد مختلف تعلیمی و خیراتی اداروں کو عطا یے۔ (ملاحظہ ہو پیسہ اخبار بابت ۲۳ر اگست ۱۹۱۲ء)

۲۰ر اگست ۱۹۱۲ء کے پیسہ اخبار لاہور میں ڈاکٹر بدری ناتھ کی بارات کی خبر شائع ہوئی۔ مذکورہ شمارہ راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بلاشبہ شادی بڑے تزک واحتشام سے ہوئی تھی لیکن کھتری برادری نے اس کی زبردست مذمت کی۔ لالہ بانکے دیال نے باقاعدہ متحدہ محاذ قائم کر کے حریفوں کو دندان شکن جواب دینے شروع کر دیے۔ انھوں نے مخالفین کا نام چھری مار ایسوسی ایشن رکھ دیا تھا۔ اس میں لدھیانہ سے شائع ہونے والا آرمی نیوز بھی شامل تھا وہ رائے صاحب کا طرف دار اور سماجی بدعتوں کا حامی تھا۔آرمی نیوز نے یکم جولائی ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لالہ بانکے دیال ایڈیٹر جھنگ سیال پر کیچڑ اچھالا جس کے حوالے سے روزانہ پیسہ اخبار لاہور نے لکھا:

> ''اخبار جھنگ سیال جس دن سے لاہور میں آیا ہے پھکڑ بازی میں اور بھی ترقی کر گیا ہے۔اس سے ایڈیٹر کا مدعا صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑھیا اور نامی اخبار سے الجھے تاکہ اس کی شہرت ہو۔ ہندوستان (اخبار) کو پبلک کی نظروں سے گرائے اور جو وقعت اسے ملک میں حاصل ہے اس کا آپ مالک بن جائے۔''

اخبار جھنگ سیال ۱۹۱۲ء کے وسط میں لاہور سے چھپنا شروع ہو گیا تھا، ان دنوں اس کی تعداد اشاعت تین ہزار تھی جو اس وقت کے مطابق بہت زیادہ تھی۔ بھاٹی گیٹ لاہور میں اخبار کا دفتر قائم ہوا۔ جھنگ سے لاہور میں اخبار کی منتقلی کے متعلق اخبار ہذا میں ایک نظم شائع ہوئی تھی جس کے چند اشعار اس طرح تھے:

اب جھنگ چھوڑ کر چلو لاہور کی طرف
روئے ظفر کو دیکھنا ہے تو سفر میں ہے

ایسی ہی چال سے تو ''زمیندار'' بڑھ گیا
ایسی ہی چال ہے جو میری نظر میں ہے

اخبار ہذا کی ہندوستان، راجپوت گزٹ، آرمی نیوز، ہندو اور پرکاش لاہور سے معاصرانہ چشمک ہوتی رہتی تھی جس کا اظہار اس طرح کیا گیا:

''ہندو'' سے چھیڑ چھاڑ ہے ''پرکاش'' سے ہے جنگ
''ہندوستان'' سے تو عداوت کمال ہے
اعلان جنگ تو نے کیا ''راجپوت'' سے
محشر خرام چال ہے جو تیری چال ہے
اپنی برادری سے تو لڑتا ہے چوکھا
کیا خوب ''بانکپن'' ہے عجب چال ڈھال ہے

لالہ بانکے دیال کو ایک مضمون کی اشاعت پر ایک سال قید محض اور چھ سو روپے کا جرمانہ بھی ہوا اور ایک بار ۲ ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ سماجی اصلاحات کے لیے انھوں نے لالہ ہیرالال کپور ایڈیٹر کھتری سماچار کی تقلید کی تھی جو کھتری برادری کے ممتاز رکن تھے۔

☆☆☆

جالندھر میں اردو صحافت

انیسویں صدی میں جالندھر سے بھی کئی اردو اخبارات جاری ہوئے ان میں جالندھر پنچ، آفتاب ہند، ست دھرم پرچارک، آریہ مسافر اور قیصری کے نام قابل ذکر ہیں۔ لیکن مؤخر الذکر ہفتہ وار اخبار قیصری نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اخبار کا نام قیصر ہند ملکہ وکٹوریہ کے نام سے منسوب تھا۔ منشی احمد بخشی کے اس ممتاز اخبار میں بے لاگ مضامین اور معلوماتی خبریں بطریق احسن شریک اشاعت ہوتی تھیں۔ ۱۰ر انچ اور ساڑھے سات انچ کی تقطیع کا اخبار قیصری ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ زر سالانہ تین روپے تھا۔ پتھر کے دیسی پریس مطبع قیصری جالندھر کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ ۱۱ر جنوری ۱۸۹۶ء کے صفحہ اول پر چھپی خبر ملاحظہ ہو۔

"افسوس ہے کہ ۲۵ر دسمبر ۱۸۹۵ء کو شہزادہ نادر صاحب سی آئی ایس فرزند شجاع والی افغانستان و پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی آنریری مجسٹریٹ لدھیانہ نے بعارضہ ذات لجنب ۶۷ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔"

دوسری خبر ہے: "گزشتہ ہفتہ آدھی رات کو اپ اور ڈاؤن ٹرینوں کی ٹکر ہوگئی نقصان کی تفصیل اب تک معلوم نہیں ہوسکی۔ ٹریبون نے لکھا ہے کہ آدمیوں کی جانیں بچ گئیں۔ بیشک گاڑیوں کو سخت نقصان پہنچا لیکن ہماری سمجھ میں یہ منطق نہیں آتی کہ گاڑیاں جل کر خاک ہوجائیں اور سوار بچ رہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بہر حال آدمیوں کا نقصان ضرور ہوا ہوگا جس کو حکام ریلوے پردہ اخفا میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بدنامی سے بچ رہیں۔ مذکورہ بالا

ریل حادثہ پھلور میں ہوا تھا جس کا ذکر دوسرے اخبارات نے بھی کیا تھا۔ ان دنوں صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبہ شورش زدہ علاقہ تھا روز بروز وارداتیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ اخبار قیصری روزانہ اخبار عام کے حوالے سے لکھتا ہے:

''سرحد پر اب بھی کبھی کبھار کوئی واردات ہو ہی جاتی ہے۔ ۱۴ دسمبر کی خبر ہے کہ ایک سپاہی جو کہ پشاور اور دیر کے درمیان ڈاک کے سرکاروں کی حفاظت کے واسطے معین تھا سرائے چوکی کے متصل نشانہ بندوق سے چت کیا گیا اور ڈاکو لوگ اس کی رائفل بھی چھین کر لے گئے اور جو لوگ ڈاک کو لے جاتے تھے ان کو نہیں چھیڑا اور نہ ڈاک کے تھیلے ان سے چھینے۔'' خشک سالی اور فصلوں کی بربادی پر اخبار لکھتا ہے ''بارش بالکل نہیں ہوئی بادل آتے ہیں اور برسے بغیر چلے جاتے ہیں۔ بخار نزلہ اور مرض نمونیہ کی عام شکایت سنی جاتی ہے۔ گذشتہ ہفتہ میں چار موتیں ہوئیں خدا فضل کرے۔''

ضلع پشاور میں ایک چوکیدار کی فرض شناسی کی داد دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ ''ٹوبی ضلع پشاور کی خبر ہے کہ چوکیدار نے جان ہتھیلی پر رکھ کر چوروں کا مقابلہ کیا اس لیے ایڈیٹر قیصری اخبار نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے انعام دینے کی سفارش کی ہے۔''

خشک سالی اور طغیانی کی غضبناکی کی خبر ملاحظہ ہو۔ ''قصبہ ہر جوالہ ضلع جالندھر کی خبر ہے کہ دریائے ستلج کی طغیانی کے باعث دیہات علاقہ ایں جانب جو صدمہ پہنچا ہے وہ کسی بیان کا محتاج نہیں لوگ مارے مصیبتوں کے گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں سکونت رکھتے ہیں گاؤں کی بہت سی زمین دریا برد ہونے کے باعث زمینداروں کی حالت تنگ ہوگئی ہے۔ بارش کی امساک نے اور بھی غضب کر رکھا ہے کہ اب تک ایک بوند برسنے میں نہیں آئی۔ موجودہ فصلیں بارش کی کمی اور سرد موسم کی خشکی سے تباہ اور پژمردہ ہوتی جاتی ہیں نرخ اجناس کمی پر ہے۔ بیماری بخار اور ریزش کی عام شکایت ہے۔''

چیدہ چیدہ خبریں عنوان کے تحت جو خبریں ہیں ان کا انتخاب درج ذیل ہے۔

''آئندہ اجلاس نیشنل کانگریس کا کلکتہ میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔''

''پچھلے سال سمندر میں جو جہاز ٹوٹے سرکاری رپورٹ بتاتی ہے ان کی تعداد ۲۳۴

تھی۔"

"سڑک گلگت پر درمیان رانا گھاٹ اور قصور کے سرکاری ہرکارہ لیب اور برف کے گر جانے سے مر گیا.......... پونہ میں نیشنل کانگریس کے ایک ممبر کی نسبت خبر ہے کہ مر کر زندہ ہوا ہے۔ یہ تھانہ کا ایک برہمن تھا اور ڈیلی گیٹ مقرر ہو کر آیا تھا۔ وہ دفعۃً بیمار پڑ گیا اور ایسی حالت ہو گئی کہ بالکل مردہ تصور کیا گیا۔ دوستوں نے جنازہ تیار کیا اور اس کی لاش کو لپیٹ کر حسب دستور مرگھٹ کو لے جاتے تھے کہ تختہ پر کچھ حرکت معلوم ہو گئی۔ صلاح ٹھہری کہ جنازہ کو واپس کریں مکان پر لا کر دیکھا کہ جان ہی باقی نہیں ہے بلکہ بھلا چنگا آدمی ہے وہ سمادھی میں تھا۔"

۱۸ جنوری ۱۸۹۶ء کے اخبار میں خبر ہے کہ جلسہ کمیٹی لوکل بورڈ در واقعہ ۲ جنوری ۱۸۹۶ء بروز جمعرات بوقت ۱۲ بجے دن کے بمقام نکودر منعقد ہوا۔ جناب مرزا ظفر اللہ خان صاحب تحصیل دار پریذیڈنٹ لوکل بورڈ نکودر، چودھری شیر سنگھ نائب میر مجلس، عبد الرحمٰن خان صاحب ذیلدار، کرم سنگھ صاحب ذیلدار مریح، لالہ بوڑمل ذیلدار، کلی چودھری نواب خاں صاحب نمبردار، مہر احمد بخش ذیلدار شاہکوٹ، خوشحالا نمبردار سنگت پور۔

۱۔ روبکار محکومہ ۵ دسمبر ۱۸۹۵ء اجلاس جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر بریں مضمون صادر ہوئی کہ مدرسہ زنانہ موضع سربال قاضیاں بالکل تبدیل کیا جائے۔ تحصیل دار صاحب نکودر کسی گاؤں میں مدرسہ زنانہ کی خواہش کی بابت رپورٹ کریں۔

۲۔ درخواست سردھا رام تلیاں سڑک ہائے خام نمبر او عطائے ایک بستہ پارچہ کا واسطے رکھنے رجسٹر روزنامچہ درخواست منظور ہوئی۔

۳۔ روبکار مورخہ ۲۲ نومبر ۱۸۹۵ء سررشتہ ڈسٹرکٹ بورڈ جالندھر بریں مضمون صادر ہوا کہ علی محمد مدرس زنانہ اسلام جہت پور لڑکیوں کی فراہمی کرنے کی اس سے امید نہیں ہے۔

ہفتہ وار قیصری جالندھر کی جلد نمبر ۱۴ شمارہ نمبر ا بابت ۴ جنوری ۱۸۹۶ء کے صفحہ اول پر دو کالم ہیں پہلے کالم میں خبر ہے:

"ہمارا ایک کم سن شہری ہم عصر جو غالباً عورتوں میں بیٹھ کر چڑیا چڑے کی کہانی سننے کا

بہت مشتاق معلوم ہوتا ہے ناڈ راجستھان کے حوالے سے لکھتا ہے۔ اودے پور کے محاصرہ میں ایک وقت بیس ہزار ہندو عورتیں ترکوں کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑی تھیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایسی مستند اور ناڈ کتابوں کی ہندوستان میں بہت کمی ہے ورنہ علم تاریخ کے متعلق جو بہت سی غلط بیانیاں ملک میں مشہور ہیں ان کی بہت کچھ تصحیح ہو جاتی۔

فی الواقع ایڈیٹر قیصری نے اپنے کسی معاصر اخبار نویس کے مضمون کے بارے میں خیال آرائی کی تھی، دوسرے کالم میں اخبار عام کے حوالے سے خبر ہے کہ چمبہ کے میاں ہوشیار سنگھ جو پچھلے دنوں عیسائی ہو گئے تھے پھر اپنے آبائی دھرم میں واپس آئے اور ہردوار میں شُدھی کی رسم ادا کی گئی۔ ہم ہندو سوسائٹی کو اگر وہ پسند کرے تو میاں ہوشیار سنگھ کی واپسی پر مبارک باد دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اس قدر کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ ایک ایسے شخص کی واپسی جو تبدیلی مذہب کو بچوں کا کھیل سمجھتا ہو قوم کے لیے کسی طرح قابل فخر نہیں ہو سکتی.......... محولہ بالا خبر سے عیاں ہے کہ ایڈیٹر قیصری تبدیلی مذہب کے حق میں نہیں تھے۔ اسی لیے انھوں نے اس خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ اسی شمارے کے صفحہ ۷ پر خبر ہے:

علاقہ کوئٹہ بلوچستان میں برف پڑ گئی ہے اور ضلع فورٹ سنڈیمن میں سوائے ہندو باغ کے اور کسی جگہ تا حال برف نہیں پڑی اور نہ ابھی تک کوئی بارش ہوئی ہے بسبب امساک بارش و نہ گرنے برف کے فصلات کا بہت نقصان ہے۔ آج کل حکام کا دورہ نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ برف اور سردی سے ملازمان وغیرہ کو سخت دقت ہوتی ہے۔ افغان بلوچ یعنی بونڈری کمیشن ہنوز بند ہے اور کپتان میک موہن صاحب بہادر جائنٹ کمشنر سرحدی کمیشن ہمراہ جناب وائسرائے بہادر دورہ پر ہیں۔

مذکورہ بالا خبروں سے اس زمانے کے حالات و واقعات کے علاوہ اخبارات کے معیار اور اسلوب بیان کا بھی علم ہوتا ہے۔ چیدہ خبریں عنوان کے تحت مختصر لیکن اہم ترین خبریں ہیں۔ سردار نصر اللہ کان ہفتہ گذشتہ میں حسب الطلب امیر قندھار سے کابل کو روانہ ہوئے، اب تک کوئی جدید برٹش ایجنٹ کابل نامزد نہیں ہوا ہے اور غالباً اس معاملہ کا اس وقت تک فیصلہ نہ ہوگا۔ جب تک وائسرائے ہند کلکتہ میں داخل نہ ہوں۔

☆ عجیب الخلقت...... علاقہ جموں کی تحصیل کٹھوعہ میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ موضع کھروٹہ میں ایک گوجر کے گھر عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا۔ بازو ندارد۔ ایک پستان سینے پر اور دوسرا پشت پر۔ اور دس یوم سے زندہ ہے۔

☆ اژدہا...... ایک اژدہا جو انیس فٹ لمبا تھا دار جیلنگ میں مارا گیا جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو ایک پوری بکری برآمد ہوئی۔

☆ ...... کہتے ہیں کام دیش میں ایک ۱۳۰۰ برس کا خدا دوست ہے ۲۰ فٹ لمبا ۱۰ فٹ چوڑا۔ یہ حضرت علی سے شکست کھا کر عرب سے بھاگا تھا اور کہتے ہیں اب تک زندہ موجود ہے۔

☆ ...... فیروز پور کے قریب ۴ تھیلے ڈاک کے لوٹے گئے جن میں سے دو بدستور سالم پائے گئے باقی دو میں سے ۳۴۵ روپیہ حاصل کیا۔ ہرکارہ ہسپتال میں ہے۔ ڈاکوؤں کا پتہ نہیں۔

☆ لاہور میں نوروز کی پریڈ پر دخترِ حضور لاڈ صاحب بہادر نے والینٹر افسروں کو تمغے پہنائے۔

☆ لندن کے بازار میں ایک قدیم نایاب ڈاک ٹکٹ ملک سپین ۲۸ پونڈ پر نیلام کیا گیا۔

☆ ۱۳ ردسمبر کو خان قلات اور پولیٹکل ایجنٹ جنوبی علاقہ کے دورہ پر ۶ ماہ کے لیے ایک ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔

☆ مفرور اسیران سلطانی میں ایک قیدی محمد افضل بیگ چترال میں پکڑا گیا اور برٹش افسر فوج کے سپرد ہوا۔

☆ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی خبر ہے کہ آج کل سردی اپنا خوب جوبن دکھلا رہی ہے اور بخار کے علاوہ نمونیہ کی بیماری مہلک ہو کر فوت کی تعداد کسی قدر بڑھ چلی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ امساک کا وہ حال ہے کہ اگر کہیں بھولے بھٹکے فلک پر بادل آ بھی گئے تو ایسے کافور ہوتے ہیں جیسے کمان سے تیر۔ ایک بوند تک حکم نہیں کہ گر سکے۔ گلی کوچوں میں گرد اڑ رہی ہے کہ جس وقت انسان چلتا ہے پاؤں سے اٹھ کر سر تک جا پہنچتی ہے۔ گرانی روز بروز زیادہ

ہوتی جاتی ہے اب نرخ اجناس ۱۱ ار سیر گیہوں عمدہ ملتی ہے۔ ۱۲ ار سیر نخود۔ اسی طرح کم وبیش نرخ کا مختلف مقامات میں حال ہے۔

اخبارات میں مختصر خبریں ترجیح پاتی تھیں اور زبان و بیان کی چاشنی مزہ دے جاتی تھیں۔

انتخاب اخبارات کے عنوان سے اخبار صادق الاخبار کے حوالے سے ایک خبر ہے کہ: ''حیدر آباد دکن مولوی یوسف الدین صاحب تعلقہ دار بذریعہ وارنٹ مجریہ ڈپٹی کمشنر کوہ شملہ اسٹیشن مشنکر پلی پر گرفتار کیے گئے اور ایک روز ریزیڈنسی کی حوالات میں رہ کر ضمانت پر رہا ہوئے۔ الزام یہ لگایا گایا کہ ملزم نے کل سابق ریزیڈنٹ حیدر آباد کی رپورٹ حاصل کرنے کے لیے کوہِ شملہ پر گئے تھے اس مقدمہ میں ایک کلرک محکمہ فارن آفس کا گرفتار ہو کر چھ ماہ قید کی سزا بھی پا چکا ہے جس کے پاس سے دس ہزار روپے کے نوٹ بھی برآمد ہوئے تھے۔ جن پر اعلیٰ عہدہ داران حیدر آباد کے دستخط ہیں۔''

مولوی یوسف الدین حیدر آباد ریاست میں مجسٹریٹ درجہ اول تھے غالباً انھوں نے رشوت کے طور پر اتنی بڑی رقم قبول کی تھی۔

اخبار وکیلِ ہند دہلی کے حوالے سے ایک نظم ہے۔ بعنوان رشوت کی حالت۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

جہاں میں ہے رشوت کا بازار گرم
ملا خوب یہ میوہ نرم و نرم
بلا کچھ دیے کام چلتا نہیں
نہ دیجے تو مطلب نکلتا نہیں
نہ ان راشیوں کو خدا کا ہے خوف
قیامت نہ روزِ جزا کا ہے خوف
نہ ہے ترسِ حاکم نہ بیمِ عسس
نہ زنجیر کا ڈر نہ خوف قفس

جو رشوت ستانی کا افشا کرے
وہ اُلٹا دھرا جاوے ملزم جو ہے
ادھر خوب ادھر نقد عزت ملے
نہ ہو جرم ثابت تو الٹا پھنسے

اخبار قیصری کے صفحہ ۶ پر لطائف وظرائف بھی تفنن طبع کے لیے شریک اشاعت ہیں۔

زمانہ قدیم کے مصدقہ حالات معلوم کرنے اور تاریخ نویسی کے لیے قدیم اخبارات نہایت ممد و معاون ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ایسے پوشیدہ اور نادر واقعات وحالات کا سراغ ملتا ہے جن کا ذکر و بیان تواریخ میں نظر نہیں آتا۔

قدیم اخبارات کے مطالعہ سے اس دور کے رسم و رواج، قوانین، سیاسی، سماجی، تاریخی، علمی و ادبی اور دوسرے واقعات سے شناسائی ہوتی ہے۔ درحقیقت قدیم اخبارات اپنے دور کا شفاف آئینہ ہوتے ہیں جن کی مدد سے ہم اس زمانے کے مزاج سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ یہی قدیم اخبارات کی افادیت ہے۔ افسوس اکثر قدیم اخبارات کے فائل کم یاب ہی نہیں نایاب ہیں۔

☆☆☆

تحریک آزادی میں ضبط شدہ

امرتسر کا اُردو ماہنامہ 'کرتی'

بھارت کی تحریکِ آزادی میں جہاں محبانِ وطن نے دامے درمے سخنے قربانیاں دیں اور مادرِ ہند کو انگریزی سامراجیت کے فولادی پنجے سے آزاد کرانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا وہیں پنجاب کے اردو اخبارات نے بھی جوش وخروش اور وطن پرستی کے مقدس جذبے سے قربانیاں دے کر قابل ستائش مثالیں قائم کیں۔

پنجاب کے جو اخبارات بحق سرکار انگلشیہ ضبط ہوئے یا جن کی ضمانتیں ضبط یا طلب کی گئیں ان کی فہرست میں زمیندار، پرتاپ، احسان، ویر بھارت، اکالی اور کرتی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی نے ۱۳/اپریل ۱۹۲۸ء کو امرتسر سے اردو ماہنامہ کرتی سرائے سنت رام بیرون گاندھی گیٹ جاری کیا اور قلمدان ادارت ارجن سنگھ کڑ گج کے سپرد کیا جنھوں نے اپنے حسن تدبر اور فکر ونظر سے رسالہ کے صوری ومعنوی محاسن کو نقطۂ عرج پر پہنچا دیا تھا۔ ۲۷ صفحات پر مشتمل کرتی نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر طبع افروز ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے اور قیمت فی پرچہ چھ آنے مقرر تھی۔ کیونکہ بیرون ملک میں مقیم ہندوستانی بھی اس کے خریدار تھے۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا:

اُٹھ اے کرتی تو جوش میں آ اور قطرے سے دریا بن جا
زنجیریں توڑ غلامی کی ہاں نوکر سے آقا بن جا

اس شعر کی زیریں عبارت اس طرح ہوتی تھی

"دنیا بھر کے مزدور اور کسانو، متحد ہو جاؤ"

ماہنامہ کرتی کے مستقل لکھنے والوں میں ماسٹر سوہن سنگھ جوش، بھائی رام چندر بی اے ایس ڈی، حسن مجید ایم اے اور بھائی رتن سنگھ کنیڈا خصوصی طور پر شامل تھے۔ ڈاکٹر اقبال کی بھی کوئی نہ کوئی نظم ہر شمارے میں شریک ہوا کرتی تھی۔ ماہنامہ کرتی ماہ ستمبر ۱۹۲۸ء کے صفحہ ۳ پر کرتی کا پیام کے عنوان کے تحت ایک نظم ہے جس کا مطلع ہے:

چل اے بادِ سحر دنیا کو دے پیغام کرتی کا

ہو اطراف جہاں جس سے روشن نام کرتی کا

اسی صفحہ پر ایک دوسری انقلاب خیز نظم ہے:

کبھی وہ دن بھی آئے گا جب اپنا راج دیکھیں گے

جب اپنی ہی زمیں ہوگی اور اپنا آسماں ہوگا

صفحہ ۴ پر ایک مضمون جس کا عنوان ہے:

"سازشیں کیوں ہوتی ہیں اور ان کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے؟"

اس مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ایک سازش ختم نہیں ہوتی کہ دوسری سازش کا چرچا شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کاکوری سازش کیس کے حالات پڑھتے تھے۔ ان دنوں دیوگھر سازش کے حالات سن رہے ہیں ان سے پیشتر لاہور سازش کیس۔ دہلی سازش کیس، بالشویک سازش کیس اور نا معلوم کتنے کیس چل چکے ہیں جن میں درجنوں نوجوان پھانسیوں پر لٹکا دیے گئے، دار پر کھینچے گئے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں کالے پانی (عبور دریائے شور) کی سزا پا گئے۔ بے شمار دیش بھگت ابھی تک جیلوں میں اپنچ اپنچ کر کے جانیں توڑ رہے ہیں اور خواہش آزادی کے جرم کی سزائیں بھگت رہے ہیں۔

اس مضمون میں سازش کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ یہ انسانی دماغ کی ایک بیماری ہے جو نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ اس کے برعکس سازشی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ سازش ان تخیل پرست اشخاص کی ایک سعی ہوتی ہے جو مروجہ نظاموں کی خامیوں، ناانصافیوں اور مظالم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اور بوسیدہ نظام کو منہدم کر کے نیا

نظام تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں تعریفیں غلط ہیں کڑی سزاؤں اور پھانسیوں سے سازشیں رک نہیں سکتیں۔ نہ ہی ظلم و جبر خواہ کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو خواہش آزادی کچل سکتا ہے۔ جب تک عدم تعاون کی لہر میں آزادیِ تقریر کی اجازت رہی کوئی سازش نہیں ہوئی۔ کوئی خفیہ لہر نہیں چل سکی۔ گورنمنٹ کی سختی کا دور شروع ہوا اور آرڈی نینس کے تحت سینکڑوں نوجوانوں کو جو کھلے بندوں کام کرتے تھے جیلوں میں بھر دیا گیا۔

جب تک دنیا میں غلامی اور غریبی کی وحشیانہ یادگاریں قائم رہیں گی تب تک دنیا کی کوئی طاقت صفحہ عالم سے سازشوں اور خفیہ لہروں کو نہیں ہٹا سکتی۔ مذکورہ بالا مدلل مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے کہ سازش کیا ہے اور آزادی کی خواہش رکھنے والوں کو کس قدر مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ صفحہ ۱۰ پر 'مزدور سے خطاب' نامی ایک نظم کا مطلع ہے:

بتا دانشوری ہے یہ کہاں کی
زمیں پر ہو کے باتیں آسماں کی

صفحہ ۱۱ پر سرمایہ دار اور مزدور کے متعلق ایک نظم ہے جو ماہنامہ ہزار داستان لاہور سے منقول ہے۔

صفحہ ۱۲ پر آزادی کی باتیں قسط دوم میں ماسٹر سوہن سنگھ جوش کا ایک بصیرت افروز مضمون طبع افروز ہوا۔ جس کے مندرجات میں شیلے چالس ڈکنز والٹر اور دیگر مشاہیر کے حوالے واقتباسات شامل ہیں۔ اس میں ایک قول متعلقہ پریس بھی ہے جو درج ذیل ہے:

''پریس کی آزادی کو روکنا قوم کی ہتک کرنا ہے اور خاص خاص کتب کے پڑھنے سے روکنا ملک میں بسنے والوں کو یا تو بے وقوف سمجھنا ہے یا غلام''۔ (ہیلوپٹس)

صفحہ ۱۷ پر ''سوویت روس کا اقتصادی نظام'' کے عنوان سے ایک مضمون کا ترجمہ چھپا ہے۔ جس کے آخر میں بھوک اور چوری کے متعلق مختصراً درج ہے کہ ''میرے نزدیک وہ بڑا کٹر سنگ دل ہے جو بس آدمی کو ملزم قرار دیتا ہے جس نے اپنے بال بچے بھوکے مرتے دیکھ کر دوسرے کی روٹی چرالی ہو۔''

ماہنامہ کرتی امرتسر کمیاب نہیں بلکہ نایاب رسالہ ہے۔ جس کی بابت کئی محققین نے

راقم سے استفسار کیا ہے۔ افسوس اس رسالے کی ایک جلد بھی کسی کتب خانے یا لائبریری میں موجود نہیں راقم الحروف کو ایک بزرگ دیش بھگت سردار سروپ سنگھ سے اس کی ایک جلد مستعار ملی تھی جس کے کچھ اقتباسات حاصل کر لیے تھے تا کہ سند رہیں۔ ماہنامہ کرتی امرتسر ایک بار قابل ضبطی قرار دیا گیا تھا کیونکہ انقلابیوں کی ذہنی تربیت میں اس کا بڑا ہاتھ رہا تھا اور خفیہ پولیس اس پر کڑی نگاہ رکھتی تھی۔ ماہنامہ کرتی کا ایک پنجابی ایڈیشن ۱۹۲۶ء میں شروع کیا گیا۔ محولہ بالا شمارے میں پنڈت رام پرشاد بسمل کی سوانح حیات اور ۱۹۲۷ء کے شہیدان وطن کے عنوان کے تحت ٹھاکر درشن سنگھ کے حالات سے آگاہی کرائی گئی ہے جو ترک کی جنگ میں سرگرم ہوئے۔ بریلی میں ان پر گولی بھی چلی تھی۔ ۲۵ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو کاکوری سازش کیس میں انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کی صبح الٰہ آباد سینٹرل جیل میں انھیں تختہ دار پر لے جایا گیا اگر چہ ان کی پھانسی کی تاریخ ۱۹ر دسمبر طے کی گئی تھی لیکن حکام کو پتہ چل گیا تھا کہ اس روز بلوہ ہونے کا اندیشہ ہے تو پھانسی دینے کی تاریخ میں تبدیلی کر دی گئی۔ جب مادر ہند کے مایۂ ناز فرزند ٹھاکر درشن سنگھ کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا تو انھوں نے پھندے کو چوم کر اس کا احترام کیا پھر ''وندے ماترم'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جلاد سے کہا۔ ''بس کھینچ لو'' یہی شہید وطن ٹھاکر درشن سنگھ کے آخری الفاظ تھے۔

کاکوری کیس میں ملوث بھائی راجندر لہری ایم اے کے حالات بھی اسی شمارے میں شامل ہیں کہ انھیں بم کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔ پھر عدالت نے انھیں سزائے موت کا حکم سنایا۔ ۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو انھیں گونڈہ جیل میں پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ پھانسی لگنے سے پہلے انھوں نے ''بھارت ماتا کی جے'' کا نعرہ لگایا۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کے طالب علم راجندر لہری بہت بڑے انقلاب پسند تھے جنھوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ آزادی وطن کے لیے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ کرتی میں اس فخر قوم اشفاق اللہ خان کی تصویر اور سوانح حیات دیے گئے ہیں۔ اشفاق اللہ خان کاکوری کیس کے ہیرو تھے۔ صفحہ ۳۹ پر ایک ہندوستانی نوجوان کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے کہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کیا جائے۔ امریکہ میں مقیم انقلابی بھائی گورمکھ سنگھ نے جس کا تعلق خاص غدر پارٹی

سے تھا ہندوستانیوں سے پر زور اپیل کی تھی کہ اس وقت انگریزی سرکار ایک بڑی بھاری جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہندوستانیوں کے کندھوں پر ہے۔ افغان سرحد پر نئے قلعے اور مورچے بنائے جا رہے ہیں۔ بھرتی کرنے والے ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ کشمیر میں ہوائی جہاز کے سینٹر بن رہے ہیں۔ اس لیے ہندوستانیوں کو جنگ کے لیے بھرتی نہیں ہونا چاہیے۔

کرتی کے صفحہ ۴۵ پر نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی کے صدر پنڈت موتی لال نہرو تھے۔ بحیثیت مجموعی ماہنامہ کرتی امرتسر نے نوجوانانِ ہند کے ذہن میں بیداری اور دلوں میں حب الوطنی کا جو مقدس جذبہ پیدا کیا اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ماہنامہ کائنات لاہور کے مدیر جناب حامد حسین حامد ماہنامہ کرتی کے بارے میں مستفسر ہیں۔ راقم نے ان ہی کے ذوق کی تسکین اور معلومات میں اضافہ کی خاطر یہ چند سطور قلمبند کی ہیں تاکہ دوسرے محققین کے لیے بھی مفید مطلب ثابت ہو سکیں۔

☆☆☆

اردو جریدہ پنجاب ریویو

مغل اعظم جلال الدین اکبر کے نورتنوں میں سے ابوالفضل اور فیضی دونوں بھائی شیخ مبارک کے صاحبزادے تھے۔ انہی کے خاندان کے ایک علیم وفہیم فرد رجب علی تھے۔ جنھوں نے ۱۹۵۵ء میں دہلی کے انگریز ریزیڈنٹ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ وہ پادری رجب علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ کئی کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔ ۱۸۶۹ء میں انھوں نے امرتسر میں اردو صحافت کا آغاز شمس الاخبار سے کیا۔ پھر ۱۸۷۳ء میں ہندو پرکاش ہفتہ وار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ وہ صاحبِ طرز اخبار نویس تھے۔ انھوں نے جنوری ۱۸۸۷ء میں ماہنامہ ''پنجاب ریویو'' امرتسر سے جاری کیا جو وحید العصر اردو ادبی ماہنامہ تھا جس نے ملک بھر میں شہرت حاصل کی۔

پنجاب ریویو کا سالانہ چندہ بارہ روپے۔ ششماہی سات روپے۔ سہ ماہی چار روپے اور فی پرچے کی قیمت دو روپے تھی۔ اپنے کرم فرماؤں، نادہند خریداروں کی بدولت اور بعض نامہ نگاروں کی تصدق سے پادری صاحب چار ہزار روپے کے مقروض ہو گئے اور ان پر ہتک عزت کے تین مقدمات بھی دائر ہوئے۔

ماہ اپریل ۱۸۸۷ء میں پادری رجب علی نے ان نامہ نگاروں کا شکوہ کیا جنھوں نے موصوف کو مقدمات میں الجھایا۔ مردم گزیدہ پادری اسی شمارے میں لکھتے ہیں:

''اپنی دستخطی تحریروں سے پھر جانے والے اور ان پر تاویلات بعیدہ کر کے گھر پورا کر دینے والے مولوی صاحب اگر ہیں یہی ہیں خدا کی پناہ......... دوسروں کو نہ صرف کنگال کر دینے والے بلکہ قید کروا دینے والے۔ یہ حضرت مولوی....... صاحب موصوف اپنی تحریروں سے صاف مکر جانے والے۔ دوسرے اگر ہیں تو یہ ہیں ان کے دھوکے سے اگر خدا بچائے تو کوئی بچے۔''

زیر نظر شمارہ ماہ اپریل ۱۸۸۷ء کے چند مندرجات درج ذیل ہیں جو مؤرخین کے لیے بے حد مفید مطلب اور کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

ماہ اپریل ۱۸۸۷ء میں سرکار انگریزی کی افغانستان پر چڑھائی کے بارے میں معلومات اس طرح ہیں:

''اس عیسوی کے شروع میں سلطنت افغانسان ہرات سے لے کر کشمیر اور بلخ سے سندھ تک تھا۔ احمد شاہ درانی کا پوتا زمان شاہ اس پر قابض تھا۔ لیکن زمان شاہ نے قوم بارک زئی کو (جس کی اولاد میں عبدالرحمٰن خان کابل کے امیر حال ہیں) اپنے سے ناراض کر لیا۔ اس کے چھوٹے بھائی محمود شاہ نے موقعہ پا کر وزیر فتح خان بارک زئی سواروں کی مدد سے زمان شاہ کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔ آخر کار وہ لدھیانہ میں آ کر جہاں سرکار انگریزی نے اس کے لیے پنشن مقرر کر دی تھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ۱۸۰۳ء میں زمان شاہ کے دوسرے بھائی شجاع الملک نے محمود شاہ سے سلطنت چھین لی اور ۱۸۰۸ء تک اس پر امن و امان کے ساتھ قابض رہا۔ مگر مسٹر الفنسٹن سفری انگریزی جو عہد نامہ کرنے کے واسطے بھیجے گئے تھے کابل سے چلے آئے تو محمود شاہ نے کابل پہنچ کر اسی فتح خان کی مدد سے شجاع الملک کو سلطنت سے بے دخل کر دیا اور جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس مدد کی امید سے آئے تو انھوں نے امداد کی جگہ ان کو قید کر لیا اور مشہور کوہ نور ہیرا (جسے نادر شاہ ہندوستان سے لے گیا تھا اور وہاں سے احمد شاہ کے ہاتھ آیا تھا) سنگدلی کے ساتھ ان کو بے آب و دانہ رکھ کر ان سے لے لیا۔ آخر کار اپنے بڑے بھائی زمان شاہ کی طرح سے ان کو بھی سرکار انگریزی سے پنشن اور لدھیانہ میں جگہ رہنے کو ملی۔'' اس پرچہ میں شجاع الملک کے متعلق حوالہ ہے۔

۱۸۳۴ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ عہد و پیمان کر کے جس میں بڑی شرط یہ تھی کہ افغانستان کے جن صوبوں پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے شاہ اور ان کا کوئی جانشین کبھی دعوے دار نہ ہوگا پھر کابل پر چڑھائی کی اور سندھ کے میروں کو شکست دیتے ہوئے قندھار جا پہنچے اور اسے فتح کر لیا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوست محمد خان نے شکست دے کر وہاں سے نکال دیا اور ان کو الٹے پاؤں لدھیانہ میں آنا پڑا۔ موقع پا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس میں روسیوں کے حملے کا اقتباس ہے۔

یہ حالات دیکھ کر روسیوں کو بھی ان اطراف میں اپنے پنجے پھیلانے کی ہوس ہوئی انھوں نے محمد شاہ بادشاہ ایران کو ابھر کر ہرات کی جانب فوج روانہ کردی۔

کتاب تذکرۃ المؤمنین پر تبصرہ ہے۔ چوتھے مضمون میں علم طب یونانی انگریزی اور ہندی پر خیال آرائی ہے۔ مذکورہ مضمون ڈاکٹر صاحب دتہ مل سرجن آنریری وائسرائے ہند جھنگ کا تحریر کردہ ہے۔ اصول قوانین کے تحت پادری ممدوح نے سردار اور بہادر سردار دیال سنگھ رئیسِ اعظم مجیٹھ ضلع امرتسر کی شخصیت نمایاں کی۔

اس مضمون میں انھوں نے سردار صاحب کو ڈیوک آف پنجاب سے موسوم کیا ہے۔

''ہمارا نوحہ'' میں انھوں نے اپنی سوختہ سامانی، خستہ حالی اور بدنصیبی کا شکوہ کیا ہے۔

مارچ ۱۸۸۷ء کے شمارے کے آخر میں ایک ضمیمہ دیا گیا ہے جس کا عنوان ہے ''ریاست کشمیر اور انگریزی گورنمنٹ تعلقات''۔ اب چند حوالے ملاحظہ ہوں:

اب ہم اس عہد نامے کو پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو جموں اور کشمیر کی بابت مہاراجہ گلاب سنگھ اور کرنل ہنری لارنس صاحب کے سی بی ریزیڈنٹ پنجاب کے مابین ہوا۔

پہلی شرط۔ سرکار انگریزی عوام کے بلا مداخلت غیرے مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے مذکورہ ورثا کو تمام ملک کوہستان متعلقات واقع جانب شرقی دریا سندھ اور جانب مغرب راوی معہ علاقہ چمبہ یا ششنا علاقہ لاحول جو جزو اس علاقہ کا ہے جو دربار لاہور سے سرکار انگریزی کو حسب منشا دفعہ چہارم عہد نامہ پنجاب مرقومہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء میں ہوا دیتی ہے۔

دوسری شرط: علاقہ کی ترقی حد جو مذکورہ بالا سرط کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیا گیا ہے۔ سرکار انگریزی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مجوزہ کمشنران دیں گے اور اس کی تفصیلی پیمائش کے بعد الگ عہد نامہ میں تحریر ہوگی۔

تیسری شرط: اس علاقہ کے انتقال کے عوض جوان کو اور ان کے وارثان کو مذکورہ بالا شرط کے منشاء کے بموجب دیا گیا ہے مہاراجہ گلاب سنگھ سرکار انگریزی کو مبلغ پچھتر لاکھ روپیہ نانک شاہی ادا کریں گے اور منجملہ اس کے پچاس لاکھ روپیہ اس عہد نامہ کی تصدیق کے وقت ادا کریں گے اور پچیس لاکھ روپیہ یکم اکتوبر۔ حال یا اس سے پہلے ادا کریں گے۔''

☆☆☆

ماہنامہ ''اداکار''

لاہور سے ایک مصور فلمی ہفت روزہ ''اداکار'' سید عطاء اللہ ہاشمی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا وہ لالہ دین دیال بھاٹیہ کے ہفتہ وار اخبار ''چترا'' کا ہم عصر تھا اور اس کا مقلد بھی۔ لیکن چترا، چترا ہی تھا۔ یہ اگست ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے جب ہفتہ وار 'اداکار' پر عتاب نازل ہوا۔ سید عطاء اللہ ہاشمی نے فلمی اداکارہ ''مس منورما'' کے خلاف ایک اداریہ لکھا جس کی بنا پر انھیں زیر دفعات ۵۰۱/۵۰۰ تعزیرات ہند ازالہ حیثیت عرفی کا نوٹس موصول ہوا بعد ازاں ان کے اور پریس کیپر مسٹر آہوجہ کے خلاف ضمانتی وارنٹ جاری ہو گئے۔ دونوں حاضر عدالت ہوئے جہاں ان کی ضمانتیں ہو گئیں۔ ۸ر اگست ۱۹۴۱ء کو مسٹر بی اے قریشی مجسٹریٹ درجہ اول لاہور کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی اداکارہ منورما نے اپنے بیان میں کہا کہ میرے والد نے میکلیگن انجینئرنگ کالج کے ڈیمانسٹریٹر ہیں مجھے بتایا کہ مسٹر عطاء اللہ ہاشمی ایڈیٹر ہفہ وار 'اداکار' ان کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ہمیں روپے دو تو ہم تمھاری لڑکی کی پبلسٹی کریں گے جب میرے والد نے انکار کیا تو انھوں نے اپنے اخبار ہفتہ وار 'اداکار' میں ایک آرٹیکل لکھا جس میں میری سخت توہین کی گئی اس سے میری شہرت کو بٹہ لگا ہے۔

شیخ اکبر علی ایڈوکیٹ ملزم کی جرح کے جواب میں مس منورما نے کہا کہ میں نے ۶ویں اسٹینڈرڈ تک تعلیم پائی ہے مجھے پڑھنے کا شوق نہیں تھا۔

سوال: آپ کو فلموں کا شوق کیسے پیدا ہوا؟

جواب: فلمیں دیکھ کر۔ جرح کے جواب میں مزید کہا کہ اسکول چھوڑنے کے بعد میں کملا مودی ٹون میں شامل ہوئی وہاں میرا تعارف چیف ایکٹر ہیرلڈ لائیس (مجنوں) سے ہوا۔ آغاز میں میں نے فلم 'اک مسافر' میں ۱۵ دن کے لیے ڈانس دیا۔ پھر مجھے بطور ایکٹریس ملازم رکھ لیا گیا۔ میں رام تلائی میں راجہ رام کے لڑکے کی شادی پر بطور رقاصہ نہیں

گئی۔ میں نے وہاں ناچ کیا تھا گانا بھی گایا تھا لیکن یہ غلط ہے کہ مجھے کسی قسم کا معاوضہ دیا گیا یہ غلط ہے کہ جب میں ناچ رہی تھی تو لوگوں نے پیسے پھینکے تھے۔

سوال: آپ کے سوائے دوسری ایکٹریسیں کس طبقہ کی ہیں؟

جواب: صرف ایک سوسائٹی گرل ہے۔ باقی سب بازاری عورتیں ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ میں کسی ایکٹر یا ڈائریکٹر کی پرائیویٹ پارٹی میں شامل نہیں ہوئی۔ میں پارس پڑھتی ہوں۔ اس سے پہلے اخبار ادا کار میں میری تعریف ہوتی تھی۔ مسٹر گوردھن ایڈیٹر اخبار اسٹوڈیو لاہور کا ہمارے ہاں آنا جانا ہے۔ ہفتہ وار اخبار اسٹوڈیو میں بطور ایڈیٹر ایک بار میرا نام چھپا تھا۔ پھر میں نے انھیں منع کر دیا۔ میں نے پرکاش پکچرز کو کبھی چٹھی نہیں لکھی تھی کہ گوردھن داس کو اشتہار دو۔ میں امرتسر کی مس مینکا کو جانتی ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے باپ نے نشاط ٹاکیز امرتسر کے مینجر سے ۱۵۰ روپے پرونوٹ پر قرض لیے تھے۔ میں نے اخبار ہفتہ وار اسٹار لاہور کے ایڈیٹر کو خط لکھا تھا کہ ناردرن انڈیا اسٹوڈیو والے میری قدر نہیں کرتے۔

سوال: کیا آپ کو اردو لٹریچر سے شوق ہے؟

جواب: میں لالہ کرم چند ایڈیٹر پارس کو جانتی ہوں، مسٹر دین دیال بھاٹیہ ایڈیٹر ہفتہ وار چترا لاہور کو بھی جانتی ہوں، یہ دونوں اخبار پڑھتی ہوں۔ ۲۳ اگست ۱۹۴۱ء کو عدالت میں تین گواہوں کی شہادتوں کے بعد مسٹر پشپتی ناتھ گواہ نے بیان دیا کہ متنازعہ مضمون جو ادا کار میں شائع ہوا ہے کی اشاعت کے بعد سید عطاء اللہ ہاشمی ملزم سے ملا اور کہا کہ مس منورما کے خلاف آرٹیکل لکھ دیا ہے میں نے اس کے باپ سے روپیہ طلب کیا تھا وہ اکڑ گیا ہے اور وہ بتانا چاہتا ہے کہ جب اخبار نویس بگڑ جاتا ہے تو وہ کیا کر سکتا ہے؟

عطاء اللہ ہاشمی کے وکیل شیخ اکبر علی نے عدالت میں صفائی پیش کی کہ میرے موکل نے منورما کے والد سے کوئی روپیہ طلب نہیں کیا اور یہ بلیک میلنگ کی کہانی خود ساختہ ہے اس میں کوئی صداقت نہیں مضمون زیر بحث میں ادا کارہ منوما کے چال چلن پر کوئی حملہ نہیں کیا گیا بلکہ یہ مضمون مزاحیہ انداز میں لکھا گیا ہے اور اس میں میرے موکل نے اپنا زور قلم دکھایا ہے۔ اس سے منورما کی شہرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور نہ ہی یہ بلیک میلنگ ہے۔ بعد ازاں مقدمہ خارج ہو گیا۔

☆☆☆

اخبارنویسوں کی شگفتہ بیانیاں

آزادیِ وطن سے پہلے لاہور کے اخبارات میں نہایت دلچسپ سیاسی علمی و ادبی نوک جھونک ہوا کرتی تھی۔ عہد پارینہ کے یہ قصے اب بھی ادبی محفلوں میں بڑے اشتیاق اور مزے کے ساتھ کہے سنے جاتے ہیں۔ لاہور سے مولانا سید حبیب کا روزانہ اخبار سیاست شائع ہوتا تھا۔ اس کی اشاعت بابت ۲۲ردسمبر ۱۹۳۲ میں آغا شورش کاشمیری کی ایک مزاحیہ نظم شائع ہوئی تھی۔ جس کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

بوسہ جو ایک مس کا لیا میں نے گال پر
کہنے لگی وہ ''فول بلڈی'' بنظر ہیٹ
سگنل کھڑا ہوا ہے سٹیشن پہ پاس کے
پٹری پہ انتظار کی گاڑی ہوئی ہے لیٹ
یاروں کی روغنی انھیں آتی نہیں پسند
لیکن وہ کھا رہے ہیں رقیبوں سے چاکلیٹ
غیروں کے واسطے تو اجازت ہے صبح و شام
لطف و کرم کا بند ہمارے لیے ہے گیٹ
غیروں سے ہم بغل ہوئے اور چھیڑ چھاڑ کی
ہم نے کہا ''حضور'' تو کہنے لگے کہ ''ویٹ''

روزانہ سیاست لاہور میں ''راز و نیاز'' کا ایک مزاحیہ کالم شائع ہوتا تھا۔ جسے ''ہمراز'' صاحب لکھا کرتے تھے۔ ۲۱ردسمبر ۳۴ء کے روزانہ سیاست میں ہمراز صاحب لکھتے ہیں:

''ملاپ'' کے غیبی صاحب کو پتہ نہیں اب ہے یا نہیں لیکن کچھ عرصہ ہوا انارکلی میں

بھلہ شو کمپنی کے دروازہ پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا:

ایم۔ اے بنے چمار تو بی۔ اے لوہار ہو
پھر دیکھیے کہ ملک کی کیسی بہار ہو

ہم حیران ہیں کہ جب تک ''ملاپ'' اور بھلہ شو کمپنی میں رشتہ ناطہ نہ ہوا تھا۔ اس وقت تو غیبی صاحب کو اس شعر کا علم تھا۔ لیکن اب جب کہ تعلقات وسیع ہو گئے ہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ شعر بھلہ شو کمپنی کے دوازے پر لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غیبی صاحب بات میں شمولیت سے محروم رہے ہوں گے۔ آخر ایڈیٹر ہیں۔ اظہار مدعا کا اچھا طریقہ نکالا ہے حضرت رنبیر سے ہی پوچھ لیا ہوتا کہ یہ شعر موجود ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمیں وہ دعوت بھی یاد آگئی جو مسٹر دھنی رام بھلہ نے ''سٹیفلو'' میں اخبار نویسوں کو دی تھی اور اس میں ہر ایک مہمان کو بوٹ پیش کیے تھے۔ جس کے متعلق قبل ازیں اظہار کر چکے ہیں اور جسے پھر کر ہمیں مولانا مظفر حسین شمیم ملے او فرمایا کہ بھائی جان میں بھی اس دعوت میں شریک تھا اور میں نے ع 'عطائے تو با قائے تو' کہتے ہوئے بھلہ جی کو جوتا واپس کر دیا تھا۔

۲۴ر جنوری ۴۲ء کے روزانہ زمیندار نے بیوپاریوں کی ہڑتال کے بارے میں ایک نظم شائع کی تھی جس کے کچھ اشعار یوں ہیں:

نہ دیکھا ہو اگر آندھی کا اور بھونچال کا نقشہ
تو آ کر دیکھ لو پنجاب میں ہڑتال کا نقشہ
اگر ہو دیکھنی منظور ''چھوٹو رام'' کی صورت
تو یارو کھینچو اپنی شامتِ اعمال کا نقشہ

چونکہ روزانہ زمیندار لاہور کے مولانا اختر علی خان بیوپاری رہنما لالہ بہاری لال چانںہ کے حلیف تھے اس لیے روزانہ اخبار سیاست نے چوٹ کی کہ:

نہ دیکھا ہو اگر گرگٹ کی رنگین چال کا نقشہ
تو دیکھو غور سے لالہ بہاری لال کا نقشہ

بدلتی ہو سیاست جس کی آئے دن نئے پہلو سے
کہا سمجھیں گے اپنی قوم خستہ حال کا نقشہ

روزانہ اخبار ''احسان'' لاہور بھی چپقلش میں پیچھے نہ رہا تو اس نے بھی مولانا اختر علی خاں اور لالہ بہاری لال چانند پر طنز کیا۔ اس کا جواب ۳۱ر جنوری ۱۹۴۲ء کے روزانہ زمیندار میں اس طرح دیا گیا:

اگر ہو دیکھنا پابندیٔ خوشحال کا نقشہ
تو جا کر دیکھ لو ''احسان'' کے اعمال کا نقشہ
پڑا ہو جب سنہری مصلحت کا جال آنکھوں پر
نظر آئے انھیں پھر کس طرح ہڑتال کا نقشہ
گزاری زندگی جس نے حوادث کے تھپیڑوں میں
وہی سمجھے گا اپنی قوم خستہ حال کا نقشہ

پنجاب کے بیوپاریوں پر حکومت نے سیلز ٹیکس عائد کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے صوبہ گیر ہڑتال ہوگئی۔ لالہ بہاری لال چانند فروری ۴۳ء میں دوسرے بیوپاری رہنماؤں کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے تو ۳ر فروری ۴۲ء کو روزانہ زمیندار لاہور نے طنزاً لکھا:

پنجاب کہہ رہا ہے سکندر حیات سے
اے ہوش مند حق آگاہ و باکمال
گو فیض سے ترسا ہے زمیندار سرخرو
لیکن کبھی کبھی رہے شہری کا بھی خیال
پنجاب سیلز ٹیکس کی تنسیخ چاہیے
کچھ کام آسکے گا نہ اس وقت قیل و قال
روہتک کے خود پسند و خزاں دیدہ جاٹ سے
کس درجہ کامیاب ہے ''لالہ بہاری لال''

۴ر فروری کو مولانا ظفر علی خاں نے اپنے اخبار زمیندار میں لکھا:

ہندو مسلمان کی تمیز اس میں نہیں ہے
دونوں ہیں ستائے ہوئے دونوں کی ہے ہڑتال
نکلے گا حکومت کے تدبر کا دیوالہ
جب کی گئی سرکار کے اعمال کی پڑتال

بیوپاریوں کی ہڑتال پنجاب کے ہر شہر و قصبہ میں سنگین صورت اختیار کر چکی تھی۔ لالہ بہاری لال چاننہ اور مولانا اختر علی خاں نے بھی حکومت کو آنکھیں دکھائیں تو دھر لیے گئے۔ ان کی گرفتاری پر مولانا ظفر علی خان نے یوں گوہر افشانی کی:

یہی ہے کیا جہاں بینی یہی ہے کیا جہاں بانی
بنایا جا رہا ہے عافیت کوشوں کو زندانی
وہ گھونسے کھا رہے ہیں سختیاں جیلوں کی سہتے ہیں
اسی پنجاب میں مشہور تھی جن کی تن آسانی

۱۷ر فروری ۴۲ء کو زمیندار میں شورش کاشمیری نے لکھا:

اگر ہو دیکھنا شانِ بہاری لال کا نقشہ
تو دیکھو صوبۂ پنجاب کی ہڑتال کا نقشہ
خدا کا شکر شیخ و برہمن پھر مل گئے باہم
مبارک ہے بہاری لال کے اقبال کا نقشہ

امرتسر کے دان ویر باوا گورکھ سنگھ کٹرہ اہلوالیہ میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ موصوف بہت بڑے دیش بھگت بھی تھے اور بیوپاری بھی۔ انھوں نے بھی پنجاب سرکار کی ہٹ دھرمی کے خلاف رضا کارانہ گرفتاری دی تو مولانا محمد عمر (شملہ) نے ۲۵ر فروری ۴۲ء کے زمیندار میں سخن طرازی کی:

تلی بیٹھی ہے ہٹ دھرمی پہ پنجاب کی سرکار
بیوپاری کو ہے ایکٹ کی تنسیخ پہ اصرار

ہر اک خار نظر آتا ہے گلزار وطن بھی
ٹیکسوں کی ہے جس روز سے پنجاب میں بھرمار
اختر کا یہ مصرع تو ہے وجد آفریں واللہ
''سردار یہ جو لکھ دے وہ ہے قوم کا سردار''

مولانا عبدالمجید سالک انقلاب لاہور میں ''افکار و حوادث'' کے مستقل کالم کے تحت علمی و ادبی شگوفے چھوڑا کرتے تھے۔ ذیل میں انقلاب لاہور کی ۲۹ مارچ ۴۷ء کی اشاعت کے کالم کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو خالی از دلچسپی نہیں:

''پرتاپ'' ایک زمانے میں غلط نظمیں شائع کرنے کے لیے مشہور تھا۔ ''افکار'' کے آئے دن کے کچوکوں سے تنگ آ کر اس نے اپنے عملہ ادارت میں ایک شاعر بھی رکھ لیا ہے جس کا نام ہے خان غازی کابلی۔ وہ جس طرح کے شاعر ہیں سب کو معلوم ہے۔ لیکن بہر حال غلط صحیح میں تمیز کر سکتے ہیں چنانچہ کچھ مدت تک پرتاپ میں شعر کا معیار درست ہو گیا۔ لیکن ۲۰/مارچ ۴۷ء کے پرتاپ اخبار میں التجا کے عنوان سے چودھری نند لال حوالدار ۱۶ پنجاب رجمنٹ پونہ کی ایک نظم شائع ہوئی ہے جسے ہم نے بار بار ہر پہلو سے دیکھا مگر معلوم نہ ہوا کہ نثر ہے یا نظم یا کوئی تیسری صنف ہے جس پر ابھی علم بیان کے ماہرین حاوی نہیں ہو سکے۔ حوالدار کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اتفاق میں جو دولت ہے پنہاں
وہ ہر ہر بشر پہ ہے عیاں
ہر اتفاق سے اتحادیوں نے
مل کر کیا ہے فتح جرمن و جاپاں

لطف یہ کہ جوں جوں نظم آگے بڑھتی ہے اس کے مصرعے لمبے ہوتے جاتے ہیں:

غضب ہے قہر ہے یہ کھیل نا اتفاقی کا
اے عاجز خدا کسی کو نہ کھیلائے یہ کھیل نا اتفاقی کا
اے ہند والو سب دیکھ چکے ہو یہ کھیل نا اتفاقی کا

خدا کے لیے ابھی بیج ہی کاٹو ہند سے نا اتفاقی کا

ان دو شعروں میں عروض، قافیہ، زبان، غرض ہر چیز سے بغاوت کی گئی ہے اور کیوں نہ ہو زمانہ ہی بغاوت کا ہے، جب حکومت سے بغاوت اخلاق وحیا سے بغاوت شرافت سے بغاوت کی جا رہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ زبان اور قافیہ اور عروض سے بغاوت نہ کی جائے۔

مولانا عبدالمجید سالک نے افکار و حوادث میں جو شگفتہ بیانی کی ہے اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ طنز و مزاح میں ان کا جواب نہ تھا۔ بلکہ وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔ انقلاب کے اسی کالم میں وہ لکھتے ہیں:

بعض لوگ جن کو ہٹلر کی تیز رفتاری اور مار دھاڑ کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کچھ عجیب حرکتیں کر جاتے ہیں مثلاً موجودہ جنگ کے آغاز میں امرتسر کے ایک تانگے والے نے گھوڑے کو ہانکتے ہوئے کہا۔

"چل بیٹا ہٹلر ہو جا۔" سنتری بادشاہ نے سن لیا۔ تانگے والے کو پکڑ کر تھانے لے گیا جہاں اسے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ (۸/نومبر ۱۹۴۱ء)

☆☆☆

'شلواران ادب' کی معرکہ آرائیاں

نصف صدی تک مسلسل جاری رہنے والے ماہنامہ نیرنگ خیال کو شروع میں کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا تھا ان میں سے ایک کا ذکر حکیم یوسف حسن کی زبانی سنیے:

''رسالہ نکالنے کے لیے کوئی سرمایہ نہیں لگایا۔ صرف ۶ سو روپے کے قرض سے اجراء کیا اور چوتھے مہینے واپس کر دیا۔ اگر کوئی سرمایہ تھا تو صرف میرا عزم تھا۔ ایک بار یہ ہوا کہ سالنامہ چھپا ہوا تیار پڑا تھا۔ مگر پریس مالک نے پرچہ اٹھوانے سے انکار کر دیا۔ میرا جتنا روپیہ تھا وہ تو اس میں لگ چکا تھا۔

ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے پریس مالک سے کہا: ''آپ سات ہزار پرچوں کے ایک ایک سو کے ۷۰ پیکٹ بنالیں۔ میں ایک ایک پیکٹ آپ سے نقد رقم ادا کر کے لیتا رہوں گا۔ پریس مالک مان گیا۔ میری بھی مشکل آسان ہو گئی۔ پرچے کی مانگ تھی۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔''

حکیم یوسف حسین ایڈیٹر نیرنگ خیال اپنی مشکلات بیان کرتے ہیں کہ سالنامہ نکالنا تھا مگر اتنا سرمایہ نہ تھا کہ کاغذ خرید کر پرچہ چھاپا جاتا۔ ادھار ملا نہیں اپنے کمرے میں بند ہو کر اللہ سے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے روپیہ نہیں مانگتا۔ میں اپنے طور پر جو کام کر رہا ہوں وہ مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے ہے۔ پھر تو میرا ساتھ کیوں نہیں دیتا؟

گھنٹہ بھر سجدے میں گرے رہے۔ اتنے میں کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی، دروازہ کھولا تو دیکھا گیلانی پریس کے مالک کھڑے ہیں اور سڑک پر ان کی ٹم ٹم کھڑی تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ کو سلام کرتا چلوں۔

زہے نصیب۔

آپ کاغذ کہاں سے خریدتے ہیں؟

میں تو ادھار لیتا ہوں۔

ہم بھی ادھار دیں گے۔ فی الحال چار ہزار روپے کا کاغذ بھجوا دیتا ہوں۔ جب جی چاہے رقم بھجوا دیں۔ اس طرح نیرنگ خیال کی غیبی مدد ہوگئی اور کاغذ کی خرید کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ''ماہنامہ نیرنگ خیال'' اپنے رنگا رنگ کے سالناموں کی بدولت ملک بھر کے ادبی رسالوں پر سبقت لے چکا تھا۔ ایک بار اس کا مشاعرہ نمبر نکلا تو نواب بہاول پور نے امداد دینا چاہی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا۔

ادبی معرکہ آرائیاں

رسالہ نیرنگ خیال کا دفتر فلیمنگ روڈ (لاہور) پر واقع تھا جہاں شہر بھر کے ممتاز ادیب، شاعر اور نقاد جمع ہوتے اور حکیم صاحب ان کی تواضع کرتے۔ یہیں یوپی کے ادیبوں پر اعتراضات تیار کیے جاتے تھے۔ کیوں کہ یوپی کے اخبار نویس پنجابیوں سے حد درجہ جلتے اور زبان و بیان پر اعتراض کرتے۔ انھوں نے پنجابی ادیبوں کے گروہ کو ''شلواران ادب'' کا نام دے رکھا تھا۔ اور ''شلواران ادب لاہور'' یوپی کے اخبار نویسوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیتے بلکہ ان کی خامیاں بھی پکڑتے۔

مثلاً مولانا نیاز فتح پوری نے اپنے ماہنامہ نگار لکھنؤ میں ایک سول چھاپا۔ ''البانیہ کہاں ہے؟ حدود اربعہ کیا؟ اور آبادی کتنی؟...... وغیرہ وغیرہ۔''

نگار میں اس سوال کے چھپنے کے بعد دوسرے ماہ مولانا نیاز نے ''البانیہ'' پر ایک طویل مضمون شائع کیا۔ یہ معلوماتی مضمون پسند کیا گیا۔ لیکن ''شلواران ادب لاہور'' نے سراغ لگایا کہ یہ مضمون تو حرف بہ حرف امریکی رسالے کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے۔ اس پر خوب لے دے ہوئی تو مولانا نیاز نے شلواران ادب لاہور کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور اپنی شکست کا اس طرح اعتراف کرلیا۔ انھوں نے اپنا ایک مضمون نیرنگ خیال کے لیے بھجوایا اور اس کے ساتھ لکھا: ''یہ مضمون نہیں ہے۔ خراج عقیدت ہے۔''

حامد اللہ افسر میرٹھی نے کسی مضمون کا ترجمہ اپنے نام سے چھپوایا تو شلواران ادب

نے پکڑ لیا کہ یہ فلاں مضمون کا ترجمہ ہے۔ طبع زاد نہیں۔

شاہد احمد دہلوی ایڈیٹر ساقی دہلوی لاہور کے اخبار نویسوں کی زبان کی غلطیوں پر اعتراض کرتے تو شلواران ادب باہم اکٹھے ہو کر دنداں شکن جواب دیتے۔ اس طرح یہ ادبی معرکہ آرائیاں ہوتیں جو دلچسپی کا سامان پیدا کرتیں۔

پطرس بخاری کا معاملہ

ان دنوں پطرس بخاری آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل تھے ان کی حکیم یوسف حسین ایڈیٹر نیرنگ خیال سے شکر رنجی ہو گئی تو نیرنگ خیال میں ریڈیو پروگراموں کے بارے میں تبصرہ لکھا گیا کہ پروگرام بڑے بیہودہ ہوتے ہیں۔

☆☆☆

BAATEN AKHBAR NAWEESON KI

Written by

Om Prakash Soni

Compilled By

Suhail Anjum

Om Prakash Soni

اوم پرکاش سونی ۶ دسمبر ۱۹۲۹ کو گجرات (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں میں اور اعلیٰ تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ان کو شروع سے ہی اردو زبان وادب اور ثقافت سے شغف رہا ہے۔ انھوں نے ۱۷ سال کی عمر میں ہی گجرات سے پہلے اخبار ''مضراب'' اور پھر ''سوتنتر'' جاری کیا۔ یہ اخبارات کچھ دنوں تک نکل کر بند ہو گئے۔ تقسیم ہند نے پاکستان کے بہت سے غیر مسلم اردو دانوں کو ہندوستان آنے پر مجبور کیا۔ سونی صاحب بھی اس ہنگامہ قیامت خیز میں سرحد پار کر کے آ گئے۔ انھوں نے امرتسر کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ ۱۶ راگست ۱۹۴۷ کو وہ امرتسر میں اپنے پھوپھا دنی چند نیر کے گھر آ گئے۔ بعد میں ان کے والدین بھی یہیں آ بسے۔ انھوں نے مختلف اخباروں میں کام کیا اور اس وقت وہ روزنامہ ہند سماچار سے وابستہ ہیں۔

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

www.ephbooks.com

978-93-5073-936-5